ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت
ملتان
11
نومبر ۲۰۱۶ء
صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

احرار اور سیاست

"دین اور سیاست الگ الگ نہیں۔ اسلام اپنی تعریف کے دائرے میں ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ وہ کسی دوسرے نظام کی پیوندکاری کا محتاج نہیں۔ سیاست بھی اسلام کا ایک شعبہ ہے۔ اس لیے کوئی اسلامی جماعت اُس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک وہ دین کے ساتھ ساتھ سیاست میں حصہ نہ لے

مجلس احرارِ اسلام سیاسی لحاظ سے مثبت نظریے پر عمل پیرا ہے ہماری جدوجہد کا مقصد اِعلاء کلمۃ الحق، غلبۂ اسلام اور اللہ کی مخلوق کی خدمت کے سِوا کچھ نہیں

محض جمہوریت، اسلام کا بنیادی مقصد اور عقیدہ نہیں۔ آج جس قسم کی جمہوریت رائج ہے وہ خلافتِ راشدہ سے یکسر مختلف اور متصادم ہے

اسلام، ریاست و سیاست میں شورائی نظام کا علم بردار ہے

مجلس احرارِ اسلام قرآن وسنت اور اجماعِ اُمّت کی روشنی میں اسلام کے سیاسی نظام کے غلبہ و نفاذ کی پُر امن جدوجہد میں مصروف ہے۔ ہمیں جب بھی سیاسی قوت حاصل ہوئی تو پاکستان میں اسلامی نظام نافذ کریں گے۔"

قائد احرار، جانشینِ امیر شریعت سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ

پریس کانفرنس سے خطاب (۸ر ستمبر ۱۹۶۷ء۔ فیصل آباد)

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی: سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ: 28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم

مہربان کالونی ملتان

خصوصیات

★ الحمد للہ مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے

★ حفظ وناظرہ قرآن اور درسِ نظامی میں درجہ متوسطہ سے درجہ خامسہ تک تعلیم جاری ہے

★ دارالافتاء کا قیام ★ صرف ونحو کا، ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اجراء

★ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت ★ تقریر وتحریر کی تربیت ★ دارالمطالعہ کی سہولت

★ ماہانہ مجلس ذکر ★ سالانہ ختم نبوت کورس ★ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری، مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے

تعمیری منصوبے

● وسیع بیسمنٹ ہال ● دارالقرآن ● دارالحدیث ● دارالمطالعہ

اور دارالاقامہ کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دومنزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔

تخمینہ لاگت بیسمنٹ ہال (20,00,000) بیس لاکھ روپے، لاگت فی کمرہ چار لاکھ روپے ہے

تخمینہ لاگت درس گاہیں، ہاسٹل، لائبریری، مطبخ (1,00,00,000) ایک کروڑ روپے

صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

نیز طلباء کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ وعشر، صدقات اور عطیات سے تعاون فرمائیں۔

رابطہ

061 - 4511961

0300-6326621

majlisahrar@yahoo.com

majlisahrar@hotmail.com

ترسیل زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0278-37102053 یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

الداعی الی الخیر ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مہتمم مدرسہ معمورہ ملتان

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابن امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جلد 27 شمارہ 11 صفر المظفر 1438ھ / نومبر 2016ء

Regd.M.NO.32

تشکیل

دل کی بات:	دھرنا ڈرامے کا ڈراپ سین	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرات:	حضرت مفتی حمید اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ	مدیر	3
ر	سالانہ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر اور دعوتی جلوس!	عبداللطیف خالد چیمہ	4
ر	حوثی باغیوں کا مکہ مکرمہ پر میزائل حملہ		
افکار:	مہنگائی کا طوفان	ڈاکٹر عمر فاروق احرار	5
ر	دینی مدارس کی مشکلات اور اساتذہ و طلباء کا عزم	مولانا زاہد الراشدی	8
ر	ایک عظیم تحقیقی کتاب ”امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز“	اوریا مقبول جان	12
ر	مظہر حسین، ترکی بن سعود اور ہمارا عدالتی نظام	مفتی توصیف احمد	15
دین و دانش:	دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی ریاست کا نقشہ	مولانا زاہد الراشدی	17
ر	امن و سلامتی کا نشان، نواسۂ رسول سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما	پروفیسر ابوطلحہ حسان	19
ر	”اللہ“ یا خدا	پروفیسر حمزہ نعیم	22
ر	شکر	حبیب الرحمٰن بٹالوی	24
ر	احادیثِ نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا علمی جائزہ (قسط: ۷)	حافظ عبید اللہ	27
ادب:	منقبت در مدح اصحاب محمد علیہم الرضوان	محمد سلمان قریشی	40
ر	عشق کے قیدی (ناول) (قسط نمبر ۳)	ظفر جی	41
مطالعۂ قادیانیت:	اسلام اور قادیانیت (قسط: ۱)	مولانا محمد مغیرہ	47
رُوداد:	دورۂ تربیت المبلغین	عبدالمنان معاویہ	59
ترحیم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	63

فیضانِ نظر
مولانا حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی
حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری امیر شریعت دامت برکاتہم

مدیرِ مسئول
سید محمد کفیل بخاری
kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاءِ فکر
عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد
مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق
قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس
سید صبیح الحسن ہمدانی
sabeeh.hamdani@gmail.com
سید عطاء المنان بخاری
atabukhari@gmail.com

ترئین
محمد نعمان سنجرانی
محمد مزمل حمید

سرکولیشن منیجر
محمد یوسف شاد
0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرون ملک ——— -/200 روپے
بیرون ملک ——— -/4000 روپے
فی شمارہ ——— -/20 روپے

ترسیل زر بنام ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ 0278 یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
☎061-4511961

www.ahrar.org.pk
www.alakhir.com
majlisahrar@hotmail.com
majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: آشکیل نو پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دھرنا ڈرامے کا ڈراپ سین

سید محمد کفیل بخاری

پاکستان میں ہر دور کے حکمران کرپشن میں ملوث رہے لیکن ۶۹ برسوں میں اس کا احتساب ہوا نہ سدباب۔ جہاں محکمہ اینٹی کرپشن خود کرپشن میں ملوث ہو اور رشوت لے کر مجرموں کو تحفظ دیتا ہو وہاں انصاف اور احتساب بے معنی ہو جاتے ہیں۔ ہماری سیاست میں ''انویسمنٹ'' کے ذریعے ارکان اسمبلی کی خرید و فروخت کا جو کلچر متعارف کرایا گیا اس نے سیاست میں کردار و اخلاق کی تمام قدروں کو پامال کر دیا ہے۔ اب پارٹیاں بدلنا اور وفاداریاں تبدیل کرنا جمہوریت کا حسن اور سیاست کا فن سمجھا جاتا ہے۔ کرپٹ سیاست دان باہمی مفاہمت کے ذریعے باریاں بدل بدل کر اس کرپٹ نظام کو فروغ، ایک دوسرے کو سپورٹ اور عوام کا استحصال کر رہے ہیں۔

پارلیمنٹ (مقنّنہ) عدلیہ اور انتظامیہ (فوجی و سول) ریاست کے ستون ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری پارلیمنٹ قانون سازی، بہتر فیصلوں اور کئی اچھے اقدامات کے باوجود عوام کے بنیادی مسائل حل کرنے اور مظلوم کو انصاف دینے میں بری طرح ناکام ہوئی ہے۔ مجبوراً عدلیہ کو مداخلت کرنی پڑی، ماضی میں دو وزرائے اعظم کو عدالت عظمیٰ نے نااہل قرار دیا لیکن ڈکٹیٹر پرویز مشرف عدالت میں پیش ہونے کے بعد بیرون ملک فرار ہو گیا۔ فوج نے ملک کی سرحدوں کے دفاع اور دہشت گردی کے خاتمے کے لیے ''نیشنل ایکشن پلان'' تشکیل دیا اور کافی حد تک دہشت گردی پر قابو پا لیا۔ لیکن پولیس کے نظام میں اصلاح کی ابھی بہت ضرورت ہے۔ جعلی مقابلوں کے ذریعے مجرموں اور بے گناہوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر کے ''پار کرنے'' کی روایت اب تک باقی ہے۔ رشوت خوری اور بدعنوانی اس پر مستزاد ہیں۔ یہ صورتِ حال پارلیمنٹ، عدلیہ اور انتظامیہ کے لیے سوال بھی ہے اور چیلنج بھی۔ ردعمل فطری ہے جسے روکا بھی نہیں جاسکتا۔ پی ٹی آئی کے چیئرمین عمران خان نے ان مسائل پر آواز بلند کی لیکن انداز بالکل غلط تھا۔ گزشتہ دھرنے میں انھوں نے جس بے حیائی، فحاشی، بداخلاقی اور سیاسی فاشزم کو فروغ دیا وہ کسی قومی رہنما کو زیب نہیں دیتا۔ موسیقی کی دھنوں اور ناچ گانے سے کرپشن ختم ہوتی ہے نہ انصاف ملتا ہے اور نہ ہی تبدیلی آتی ہے۔ انھیں یہ آواز پارلیمنٹ میں اٹھانی چاہیے تھی لیکن وہ ڈی چوک میں ''میوزک کنسرٹ'' کرنے لگے۔ تب ان کے فسٹ کزن طاہر القادری دھرنا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ لیکن اس مرتبہ بیرون ملک سے ہی انا للہ پڑھ کر ایصال ثواب کیا۔ عمران خان نے ۲؍نومبر کو پھر اسلام آباد بند کرنے اور فیصلہ کن دھرنے کا اعلان کیا تو حکومت نے اسے روکنے کا فیصلہ کیا۔ وزیر اعظم خٹک اور پی ٹی آئی کے کارکنوں کے پولیس تصادم سے حالات مزید خراب ہو گئے۔ تاہم وزیر اعظم نواز شریف اور عمران خان، چیف جسٹس مسٹر انور ظہیر جمالی کی سربراہی میں قائم خصوصی بینچ کے پانامہ لیکس انکوائری کمیشن پر متفق ہو گئے۔ دھرنا ختم ہوا، یہ ڈرامے کا ڈراپ سین ہے۔ وزیر اطلاعات پرویز رشید تو قومی سلامتی کے حوالے سے متنازعہ خبر کی اشاعت اور غفلت کے مرگھٹ پر پہلے قربان کر دیے گئے ہیں۔ قوم کی نگاہیں اب عدالتی فیصلے کی منتظر ہیں۔ جناب عمران خان صاحب سے گزارش ہے کہ حکمرانوں کا احتساب ضرور کریں لیکن خدارا سیاست میں بے حیائی، فحاشی و عریانی اور بدتہذیبی کو فروغ نہ دیں۔ یہ مسلمانوں کے اعمال نہیں یہود و نصاریٰ کا ایجنڈہ ہے۔

حضرت مفتی حمید اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ

مدیر

ممتاز عالم دین اور جامعۃ الحمید لاہور کے بانی مہتمم حضرت مولانا مفتی حمید اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ رمحرم ۱۴۳۸ھ/ 30 اکتوبر 2016ء بروز اتوار لاہور میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حضرت مفتی صاحب ۶ رشوال ۱۳۵۹ھ کو لکی مروت (خیبر پختونخوا) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مولانا نیاز محمد رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ، دارالعلوم اسلامیہ میں حاصل کی۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی میں شعبان ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۰ء میں دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ آپ محدث کبیر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ ناز شاگرد رشید تھے۔ تکمیل تعلیم کے بعد، دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت، جامعہ مخزن العلوم کراچی، دارالعلوم حنفیہ چکوال اور جامعہ اشرفیہ لاہور میں فقہ و حدیث پڑھاتے رہے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور میں صدر مفتی اور استاذ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔ چند سال قبل رائے ونڈ روڈ لاہور میں اپنا مدرسہ ''جامعۃ الحمید'' قائم کیا۔ جس میں درس حدیث ارشاد فرماتے۔ گزشتہ چھ ماہ سے شدید علیل تھے اور عارضۂ جگر میں مبتلا تھے یہیں آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور عقبیٰ کے سفر پر روانہ ہوگئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک متبحر اور جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ ملک کے سیاسی حالات پر بھی گہری نظر رکھتے۔ تاریخ تحریک آزادی اور دنیا کی اسلامی تحریکوں کا عمیق مطالعہ تھا۔ تمام عمر اعلاء کلمۃ الحق اور علم حدیث وفقہ کی ترویج و اشاعت میں گزاری۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہٗ سے بیعت تھے اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ کے بھانجے مولانا عبدالوحید رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے چاروں سلسلوں میں مجاز تھے۔ دینی سیاسی ذوق شروع سے بلند تھا۔ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمۃ اللہ علیہ کی امارت میں جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے اور مرکزی ڈپٹی سیکرٹری کے منصب پر بھی فائز رہے۔ بعد میں مروجہ جمہوری انتخابی سیاست سے دست بردار ہوگئے۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۴ء میں لکی مروت میں فعال کردار ادا کیا۔ وہ ہمیشہ دینی جماعتوں کے اتحاد کے لیے کوشاں رہے اور ان کی سرپرستی کرتے رہے۔ مجلس احرار اسلام کی سالانہ تحفظِ ختم نبوت کانفرنس لاہور میں اکثر تشریف لاتے اور اپنے بصیرت افروز علمی و اصلاحی خطاب سے نوازتے۔ ۳۱ راکتوبر کو آپ کی نمازِ جنازہ دارالعلوم اسلامیہ لکی مروت میں مولانا سمیع الحق مدظلہٗ نے پڑھائی۔ ہزاروں علماء مشائخ، طلباء اور عوام نے شرکت کی۔ پسماندگان میں اہلیہ، پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے مفتی حبیب اللہ حقانی، مولانا کفایت اللہ، مولانا خلیل اللہ اور مفتی عارف اللہ شامل ہیں۔

مجلس احرار اسلام کے امیر ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہٗ، سیکرٹری جنرل عبداللطیف خالد چیمہ اور تمام رہنماؤں اور کارکنوں نے مفتی صاحب کے انتقال پر گہرے غم اور صدمے کا اظہار کیا ہے۔ قائد احرار نے کہا ہے کہ ملک ایک بیدار مغز، متحرک، مفکر اور جید عالم دین سے محروم ہوگیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، ان کی اولاد کو صحیح جانشین بنائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ (آمین)

سالانہ ختم نبوت کانفرنس چناب نگر اور دعوتی جلوس!

عبداللطیف خالد چیمہ

12؍ ربیع الاوّل 1438ھ کو مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام چناب نگر (سابق ربوہ) میں سالانہ ختم نبوت کانفرنس اِن شاء اللہ تعالیٰ حسب سابق تزک واحتشام کے ساتھ قائد احرار حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری کی زیر صدارت منعقد ہوگی اور اس کے مہمان خصوصی عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے مرکزی نائب امیر حضرت مولانا خواجہ عزیز احمد (خانقاہ سراجیہ، کندیاں) ہوں گے، کانفرنس میں پہلے کی طرح مختلف مکاتب فکر کے سرکردہ رہنما بھی شرکت وخطاب کریں گے، اختتامِ کانفرنس پر دعوتی جلوس نکالا جائے گا اور ''ایوان محمود'' کے سامنے قادیانیوں کو زعماء احرار اور قائدین تحریک ختم نبوت دعوت اسلام کا فریضہ دہرائیں گے احرار، 27؍ فروری 1976ء کو ربوہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تب سے اب تک اکابر احرار وختم نبوت کی پیروی میں عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے وہاں ڈیرے ڈالے ہوئے ہیں۔ مقصد صرف حصول رضائے الٰہی اور شفاعت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے اور پھر قادیانیوں کو کفر وگمراہی سے نکال کر راہ حق دکھانا مقصود ہے۔ اِسی اعلیٰ مقصد کی عکاسی 12۔ ربیع الاوّل کو ہوگی، جملہ احرار شاخوں، وابستگان اور کارکنان تحریک ختم نبوت سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ اجتماع چناب نگر کی تیاری شروع کر دیں، اس سالانہ اجتماع کے انتظامات کے لیے مجلس منتظمہ کا ایک اہم مشاورتی اجلاس ۲۷؍ اکتوبر کو چناب نگر میں منعقد ہوا جبکہ دوسرا اجلاس ان شاء اللہ تعالیٰ 10۔ نومبر 2016ء جمعرات کو چناب نگر میں ہوگا، آئندہ شمارے میں تفصیلی ہدایات جاری کی جائیں گی اور سرکلر ڈاک سے بھیجا جائے گا۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ

حوثی باغیوں کا مکہ مکرمہ پر میزائل حملہ:

۲۸؍ اکتوبر کو یمن کے حوثی باغیوں نے ''الصعدہ'' کے مقام سے مکہ مکرمہ کی سمت ایک بیلسٹک میزائل داغا جسے سعودی عرب کے میزائل شکن نظام نے مکہ مکرمہ سے ۶۵ رکلومیٹر دور فضا میں ہی تباہ کر دیا۔ یمن کا سعودی عرب سے تنازعہ اپنی جگہ لیکن حرم کعبہ پر حملہ ایسی ذلیل حرکت اور سنگین جرم ہے جسے کسی صورت معاف نہیں کیا جا سکتا۔

امام کعبہ شیخ عبدالرحمٰن سدیس نے ایک پریس کانفرنس میں کہا ہے کہ:

''مکہ مکرمہ پر مزائل حملہ دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں پر حملہ ہے۔ ایرانی حمایت یافتہ یمنی شیعہ حوثی باغیوں نے مسلمانوں کے مقدس مقام پر حملہ کر کے پوری امتِ مسلمہ کے دینی جذبات مجروح کیے ہیں اور اسے مشتعل کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے'' (نوائے وقت ملتان، ۳۱؍ اکتوبر ۲۰۱۶)

بیت اللہ، امت مسلمہ کے ایمان کا مرکز ہے۔ خانہ کعبہ کو دہشت گردی کا نشانہ بنانے والوں کا کوئی دین، مذہب اور اصول نہیں۔ عقل وخرد سے مجروح ایسے دین بیزار اور سرکش باغیوں کو اس کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ نیز تمام مسلم ممالک کو حرمین کریمین کے تحفظ کے لیے کوئی مستقل لائحہ عمل اور نظام تشکیل دینا چاہیے نیز سعودی، یمن تنازعے کو حل کرنا چاہیے۔

مہنگائی کا طوفان

برق و باراں

ڈاکٹر عمر فاروق احرار

لوگ کہتے ہیں تو سچ ہی کہتے ہیں کہ مہنگائی نے جینا مشکل کر دیا ہے، مگر لوگوں کی بات سنتا ہی کون ہے؟ بات سننے کے لیے وقت دینا پڑتا ہے اور جاہل عوام کو معلوم ہی نہیں کہ حکمرانوں کا ایک ایک سیکنڈ قیمتی ہوتا ہے۔ حکمرانی کرنا بھلا کوئی آسان کام ہے! رعایا تو ہر وقت توجہ چاہتی ہے۔ اگر سارا وقت عوام ہی کے لیے دینا ہے تو اِنتخابات میں کروڑوں روپے لگا کر کُرسیٔ اقتدار تک پہنچنے کا انہیں کیا فائدہ۔ حکمرانوں کو اپنی پڑی ہے اور عوام ہیں کہ بس حکمرانوں کی ناک میں دم کیے ہوئے ہیں۔ اُن کا ایک شور ہے کہ ہر طرف سنائی دیتا ہے: ''مہنگائی نے مار دیا۔ مہنگائی نے مار دیا'' ارے بھئی! سُکھ کا سانس تو لینے دیں، بے چارے حکمرانوں کو۔ تمہیں مہنگائی کی پڑی ہے اور انہیں کمائی کی فکر ہے۔ ان کی جیبیں بھریں گی تو وہ دوسری طرف نظر کر سکیں گے۔ سنا نہیں تم نے کہ کسی نے چاند کی طرف اشارہ کر کے ایک بھوکے سے پوچھا تھا کہ بابا! یہ آسمان پر گول گول سا کیا چمک رہا ہے؟ تو بھوک سے نڈھال بابا جی نے جواب دیا تھا کہ ''مجھے تو آسمان پر گول گول سی روٹی ہی نظر آ رہی ہے۔'' بابا کی طرح حکمران جب تک دولت سمیٹ، سمیٹ کر ''اپنے پاؤں'' پر کھڑے نہیں ہو جاتے، تب تک مہنگائی کی پسی ہوئی عوام کو صبر سے کام لینا چاہیے کہ حکمرانوں کو بھوکے بابا کی طرح اقتدار میں آکر عوام نہیں، بس دولت ہی دکھائی دیتی ہے اور انہیں صرف اپنے ہی پیٹ کی فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ اسے بھرنا ہے تو کیسے بھرنا ہے؟ اسی لیے تو وہ عرصۂ اقتدار میں عوام کے مسائل سے بے خبر اور اُن کے احوال سے بے نیاز رہتے ہیں۔

اقتداریوں کی بھوک کب مٹا کرتی ہے! سٹیٹ بینک کی تازہ رپورٹ سرکاری کارکردگی کا قصہ یوں سنا رہی ہے کہ ''اگست 2016ء میں مہنگائی کی رفتار 6.3 فیصد رہی جو گزشتہ سال کے مقابلے میں دوگنی ہے۔ ماہرین کے مطابق شرح سود کم ہونے کے باوجود برآمدات اور دیگر شعبوں میں بہتری نہیں آئی۔ اجناس اور توانائی کی قیمتوں میں کمی کے باوجود مہنگائی کی شرح بڑھی ہے۔ سٹیٹ بینک نے وفاقی حکومت کی مالی اور معاشی حکمت عملیوں پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے انہیں غیر تسلی بخش قرار دیا اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ مہنگائی پر قابو پانے کیلئے کوئی قابل ذکر ٹھوس اقدامات نہیں کیئے گئے۔ جبکہ حکومتی فضول خرچیوں کیلئے قرضوں کا حجم 8 کھرب روپے تک بڑھا دیا گیا ہے۔'' ماضی کی حکومتوں کی لوٹ مار اور بدعنوانیوں سے کسے انکار ہے، مگر موجودہ حکومت اس لیے عوامی ناراضی کا باعث بن رہی ہے کہ عوام کو موجودہ

حکومت سے بہت ہی توقعات وابستہ تھیں، عوام اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ میاں برادران چونکہ عوام کے متوسط طبقے سے اٹھ کر اقتدار کی انتہا تک پہنچے ہیں۔ اس لیے وہ عوام کی مشکلات و مصیبتوں کا خاطر خواہ احساس رکھتے ہیں اور وہ ان کے ازالے کے لیے انقلابی اقدامات اٹھا کر ان کی پریشانیوں کا سدباب کریں گے، لیکن ابھی تک کوئی ایسا مؤثر قدم نہیں اٹھایا گیا کہ جس سے عوام کے قلبِ پریشاں کی تسکین ہو سکے۔ لگتا ہے کہ مقتدر طبقے کو عوام کے احساسات کا ذرہ بھر احساس نہیں ہے۔ باور رہے کہ جب توقعات ٹوٹنے لگیں تو پھر اقتدار کے مضبوط پائے بھی ہلنے لگتے ہیں۔ کاش صاحبانِ اختیار! اس حقیقت کا ادراک کر لیں، کیونکہ مخلوقِ خدا کی مظلومیت تو عرشِ الٰہی کو بھی لرزا دیتی ہے۔

روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء کی قیمتوں میں مسلسل اضافے اور کمر توڑ مہنگائی نے عوام کا جینا دوبھر کر دیا ہے۔ نرخوں میں مسلسل اضافے کی بدولت اس وقت عام آدمی کا سب سے بڑا مسئلہ مہنگائی ہے۔ آٹا، چینی، گھی، چاول، دودھ، دالیں، سبزیاں اور گوشت کے ساتھ ساتھ موجودہ دور میں بجلی، گیس، پٹرول اور ادویات بھی بنیادی انسانی ضروریات ہیں۔ جن کی ارزاں نرخوں پر دستیابی عوام کا بنیادی انسانی حق ہے۔ ہمارا اُوپری طبقہ ہر معاملے میں امریکہ اور یورپ کی نقالی کی حد تک پیروی کرنا ضروری سمجھتا ہے، لیکن اس طبقہ نے کیا کبھی یہ سوچنے کی زحمت بھی کی ہے کہ امریکہ اور یورپ میں اشیائے خورد و نوش پر حکومت نے کنٹرول کر رکھا ہے اور وہاں کی حکومتوں اور سپر مارکیٹ بزنسز کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان چیزوں کی قیمت کم رہنی چاہیے، کیوں کہ یہ چیزیں ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہیں۔ ان ممالک کے علاوہ متحدہ عرب امارات میں بھی کھانے پینے کی اشیاء کی قیمتیں مستحکم ہیں۔ وہاں بنیادی ضرورت کی اشیاء حکومتی کنٹرول کی وجہ سے برس ہا برس سے بڑھنے نہیں پاتیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے عوام اپنے حکمرانوں سے خوش ہیں، کیونکہ ان کو یہ بنیادی ضروریات بہ آسانی اور سستے داموں حاصل ہو جاتی ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے ہاں خورد و نوش کی اشیاء کی قیمتوں پر کوئی نگرانی نہیں ہے۔ ہر دوکان میں اپنی مرضی کے نرخ وصول کیے جاتے ہیں۔ قوتِ خرید کی ابتری سے حالت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ کچھ برس پہلے جو لوگ آٹا چینی، گھی، چاول، دال ہفتے یا مہینے کے لیے اکٹھا خریدا کرتے تھے، آج وہ روزانہ کے حساب سے خریدنے پر مجبور ہیں۔ ابھی تک یہ معلوم ہی نہیں پایا کہ گورنمنٹ کی رٹ کہاں پر قائم ہے۔ اگر یوٹیلیٹی سٹوروں پر سب سڈی دے کر چیزیں بازار سے نسبتاً سستے داموں مہیا کی جا سکتی ہیں تو آخر کیا امر مانع ہے کہ وہی اشیاء عام دکانوں یا بازاروں میں سستے نرخوں پر کیوں فراہم نہیں کی جا سکتیں۔ بے شک حکومت بازار میں بکنے والی اشیاء پر سب سڈی نہ دے، مگر وہ اتنا ہی کر دے کہ بڑی منڈیوں کو مکمل کنٹرول میں لے آئے اور ذخیرہ اندوزوں کی مکمل حوصلہ شکنی کرے تو یقین مانیں کہ روزمرہ کی ضرورت کی اشیاء ہر آدمی کی قوتِ خرید کے مطابق مل سکتی ہیں۔

آخری بات یہ ہے کہ مہنگائی کو کنٹرول کون کرے؟ اختیارات حکومت کے پاس ہیں تو مہنگائی پر حکومت ہی قابو پاسکتی ہے۔ کیا کوالٹی کنٹرول اور پرائس کنٹرول ادارے صرف بھتہ خوری یا رشوت خوری ہی کے لیے باقی رہ گئے ہیں اور ظالم منافع خور تاجروں اور سٹے باز دلالوں کو عوام کی رگوں میں بچ جانے والے چند خون کے قطروں کو بھی نچوڑ لینے کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ اے اربابِ اقتدار! اللہ کے غیظ وغضب سے ڈریے۔ وقت قریب ہے کہ جب آپ سے آپ کی رعایا کے بارے میں سوال ہوگا اور آپ سے کوئی جواب بن نہ پائے گا۔ اگر آپ مخلوقِ خدا کی خدمت عبادت سمجھ کر کریں گے تو دُکھی مخلوق کی پُرخلوص دعائیں بھی لیں گے اور اجروثواب بھی آپ کا مقدر ہوگا۔ وگرنہ آخرت کی دائمی ذلت ونامرادی سے دامن چھڑایا نہ جائے گا۔ یاد رکھیے! کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد کیا کہ سات قسم کے خوش قسمت انسان، روزِ حشر، جب کوئی سایہ سوائے عرش الٰہی کے سائے کے، دستیاب نہ ہوگا، اُس سایۂ عرش میں جگہ پائیں گے۔ اُن میں پہلے نمبر پر عادل حکمران ہوگا۔ حکمرانوں کی نیک نیتی اور صاف دلی سے عوام پر رحمتِ الٰہی برستی ہے جو ملک میں سکون وطمانیت کی بادِ بہاری کے سندیسے اور اہل وطن کے لیے خوشحالی کے پیغام لاتی ہے۔ اللہ ہمارے اربابِ اختیار کو بھی قوم وملک کی فلاح وترقی کے لیے کچھ کر گزرنے کی توفیق عطا کرے۔

خدا کرے کہ مری ارضِ پاک پر اُترے وہ فصلِ گل، جسے اندیشۂ زوال نہ ہو
یہاں جو پھول کھلے، وہ کھلا رہے برسوں یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

دینی مدارس کی مشکلات اور اساتذہ وطلباء کا عزم

مولانا زاہد الراشدی

اب سے ڈیڑھ سو برس قبل جب دینی مدارس کے قافلہ کا سفر شروع ہوا تو تاریخ کے سامنے یہ منظر تھا کہ متحدہ ہندوستان ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل وطن کی ناکامی بلکہ خانماں بربادی کے زخموں سے چور ہے، خاص طور پر مسلمانوں کا ملی وجود اپنی تہذیبی روایات واقدار اور دینی تشخص کے تحفظ وبقا کے لیے کسی اجتماعی جدوجہد کی سکت کھو چکا ہے۔ بیرونی استعمار کے ہاتھوں اپنے تعلیمی، سیاسی، معاشی، انتظامی، معاشرتی وثقافتی تشخص اور ملی اداروں سے محروم ہو کر اس خطہ کے مسلمان پھر سے ’’زیرو پوائنٹ‘‘ پر کھڑے ہیں۔ اور ماضی میں اندلس اور اسپین کے تلخ تجربہ کا پس منظر جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے مستقبل کے حوالہ سے ہر صاحب فکر ودانش کو بے چین کیے ہوئے ہے۔

اس فضا میں چند اصحاب دل اور ارباب فکر ودانش نے ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے لیے مسلمانوں کے عقیدہ وایمان کے تحفظ، قرآن وسنت کی تعلیم کے ساتھ ان کی وابستگی، اور ان کی تہذیبی ودینی اقدار کا ماحول برقرار رکھنے کے لیے نئی جدوجہد کا آغاز کیا، اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر 1866ء میں دیوبند کے قصبہ سے اپنا سفر شروع کر دیا۔ یہ ان کے خلوص وللّٰہیت کی برکت تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کا یہ مشن جنوبی ایشیا کے طول وعرض میں پھیلتا چلا گیا۔ ابتدائی دور میں دیوبند کی ایک دینی درسگاہ اور اس کے ساتھ مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ قاسمیہ مراد آباد اور معین الاسلام ہاٹ ہزاری جیسے چند ادارے تھے، مگر آج جنوبی ایشیا بلکہ دنیا کے دیگر خطوں میں بھی لاکھوں مدارس پر مشتمل ایک وسیع نیٹ ورک علمی، فکری، اور تہذیبی دائروں میں پورے عزم واستقلال کے ساتھ مصروف کار ہے، اور تاریخ ان مدارس کے اس عظیم کردار کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ ان دینی درسگاہوں نے:

☆ اس خطہ کو اسپین بننے سے بچا لیا جس کا ذکر مفکر مشرق علامہ محمد اقبالؒ نے اسپین کے دورے سے واپسی پر ان الفاظ میں کیا کہ ان مدارس کو اسی حالت میں رہنے دو اور انہیں اسی طرح اپنا کام کرنے دو۔ یہ مدارس اگر خدانخواستہ باقی نہ رہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ وہ میں اپنی آنکھوں سے اسپین میں دیکھ آیا ہوں۔

☆ قرآن وسنت اور ان سے متعلقہ ضروری علوم کی تعلیم وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا اور انہیں بحفاظت اگلی نسلوں تک منتقل کرنے میں کامیاب رہے۔

☆ مسجد و مکتب کے ادارے کو امام، خطیب، مدرس، حافظ، قاری، اور مفتی وغیرہ کی صورت میں رجال کار فراہم کر کے عام مسلمانوں کا دین کے ساتھ تعلق قائم رکھا۔

☆ اسلامی عقائد و روایات کے خلاف لادینیت کی یلغار کا مقابلہ کیا اور نہ صرف عقائد و احکام بلکہ تہذیبی اقدار و روایات کے معاشرتی ڈھانچے کو برقرار رکھنے میں بھی کامیابی حاصل کی۔

☆ بیرونی استعمار کے تسلط سے نجات اور آزادی کی جدوجہد میں نہ صرف علمی و فکری راہ نمائی مہیا کی بلکہ قائدین اور کارکنوں کی ایک وسیع کھیپ تسلسل کے ساتھ فراہم کی جن کی قربانیوں کے نتیجے میں وطن عزیز آزاد ہوا اور دنیا کے نقشے پر ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' کے نام سے ایک نئی اسلامی ریاست وجود میں آئی۔

☆ تعلیم و تدریس کے ساتھ ساتھ اصلاح و ارشاد، دعوت و تبلیغ، اور وعظ و نصیحت کا ہر سطح پر ایسا نظام دیا جس کی برکات سے پورا معاشرہ شب و روز مستفید ہو رہا ہے۔

☆ مسلمانوں میں اپنے اس تہذیبی امتیاز اور دینی تشخص کا شعور اجاگر کیا جو بالآخر دو قومی نظریہ اور مسلمانوں کے ایک الگ ملک کے قیام کی اساس ثابت ہوا۔

☆ عام مسلمانوں کی دینی راہ نمائی اور ان کی احکام شریعت کے ساتھ وابستگی کو قائم رکھنے کے لیے ان دینی مدارس کے سینکڑوں دارالافتاء مسلسل مصروف کار رہے۔ اور انہوں نے فتویٰ و اجتہاد کے اس تسلسل کو برقرار رکھا جو وقت اور حالات کے تغیر کے ساتھ ساتھ احکام شریعت کی تطبیق و ترویج کا سلسلہ جاری رکھنے کا ذریعہ بنا۔

☆ ادب و خطابت، صحافت، شعر و شاعری اور ابلاغ کے دیگر شعبوں میں نامور شخصیات پیدا کیں جنہوں نے دینی و قومی مسائل پر قوم کی جرأت مندانہ راہ نمائی کی۔

☆ کسی قسم کی سرکاری امداد و معاونت سے بے نیاز رہ کر محدود وسائل بلکہ بے سروسامانی کے ماحول میں عالم اسلام کو ایک ایسا وسیع، منظم، مربوط اور متحرک نظام تعلیم دیا جس کی سادگی، اثر پذیری، قناعت پسندی، اور پیہم سعی آج پوری دنیا کے تعلیمی ماحول کے لیے قابل رشک ہے، وغیر ذلک۔

دینی مدارس کی یہ محنت و کاوش گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے ریاستی سرپرستی اور تعاون کے ماحول میں نہیں بلکہ حوصلہ شکنی، کردار شکنی، اور مخاصمت کی فضا میں جاری ہے جو بیرونی استعمار کے دور میں تو قابل فہم تھی، لیکن اسلام کے نام پر اور مسلمانوں کے تہذیبی اور دینی تشخص کی بقا کے عنوان سے وجود میں آنے والے ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں بھی اشرافیہ اور مقتدر طبقات کا اسی روش پر قائم رہنا تعجب خیز بلکہ انتہائی افسوسناک ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قیام کے بعد ہمارے

مقتدر طبقات کی ذمہ داری تھی کہ وہ ملک کے ریاستی تعلیمی نظام کو نو آبادیاتی ایجنڈے اور ماحول سے نجات دلا کر ایک آزاد، خودمختار اور باوقار اسلامی ملک کے طور پر قرآن وسنت کے علوم، عصری تعلیمی وفنی ضروریات، اور مسلمانوں کی شاندار تہذیبی روایات واقدار کی بنیاد پر از سرِ نو استوار کرتے۔ مگر ریاستی نظام تعلیم کو صحیح رخ پر لانے کی بجائے ریاستی اداروں کی توجہ قیام پاکستان کے بعد سے اب تک دینی تعلیم دینے والے اداروں اور طبقات کی کردار کشی، حوصلہ شکنی، اور ان کے کام میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنے پر مرکوز ہے۔ جبکہ دینی مدارس کے خلاف وقفہ وقفہ سے کی جانے والی ریاستی کاروائیاں نشاندہی کر رہی ہیں کہ عالمی استعمار کی طرح ہمارے ملک کی اسٹیبلشمنٹ بھی دینی مدارس کو کمزور کرنے اور انہیں اپنے تاریخی معاشرتی کردار سے محروم کردینے کی پالیسی پر گامزن ہے۔ اور عالمی سیکولر قوتیں، لابیاں اور میڈیا اس مشن میں ان کا پوری طرح معاون ہے۔

دینی مدارس کے لیے یہ صورت حال نئی نہیں ہے۔ وہ تو گزشتہ ڈیڑھ صدی سے اسی ماحول میں کام کرتے آ رہے ہیں اور ان کاروائیوں نے ان کا سفر روکنے کی بجائے ہمیشہ ان کے لیے مہمیز کا کام دیا ہے جو دینی مدارس کی وسیع تر کارکردگی کی موجودہ صورت حال سے واضح ہے۔ البتہ اس قسم کی کاروائیاں خود ملک کی اسٹیبلشمنٹ کی اسلام اور نظریہ پاکستان کے ساتھ وابستگی کے حوالہ سے سوالیہ نشان بن چکی ہیں۔ مگر اس سب کچھ کے باوجود دینی مدارس کے منتظمین، معاونین، اساتذہ اور طلبہ اپنے اس عزم پر بحمداللہ تعالیٰ قائم دکھائی دیتے ہیں کہ

☆ مسلمانوں کا دین کے ساتھ تعلق قائم رکھنے، انہیں قرآن وسنت کی ضروری تعلیم فراہم کرنے، اسلامی عقائد و روایات کے تحفظ، اسلام کے خلاف فکری وتہذیبی یلغار کے مقابلہ، وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کو صحیح معنوں میں ایک فلاحی جمہوری اسلامی ریاست بنانے، اور مسجد و مدرسہ کے معاشرتی کردار کا تسلسل جاری رکھنے کے لیے ان کی جدوجہد جاری رہے گی۔

☆ وہ وطن عزیز کی سالمیت واستحکام، قومی خودمختاری، ملک کی جغرافیائی ونظریاتی سرحدوں کے تحفظ، اور ملی وقومی مقاصد کے لیے پرامن قانونی جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں۔ ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے اس سے حسب سابق مکمل برأت کا اعلان کرتے ہیں، دینی مدارس پر بے بنیاد الزامات اور معاندانہ کاروائیوں کو مسترد کرتے ہیں اور لادینی تہذیب، اباحیت مطلقہ، اور مذہب بیزار فکر وثقافت کا علمی وفکری تعاقب ہر سطح پر اور ہر دائرہ میں جاری رکھنے کا عزم رکھتے ہیں۔

☆ وہ حکومت پاکستان، ریاستی اداروں اور مقتدر طبقات کی موجودہ روش کو اسلام اور نظریہ پاکستان کے منافی سمجھتے

ہوئے ان سے تقاضہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے طرز عمل پر نظر ثانی کریں اور حکومتی پالیسیوں کو اسلام، دستور پاکستان، اور عوام کی خواہشات کے دائرے میں لانے کے لیے فوری اقدامات کریں۔

☆ وہ ملک کے تمام مکاتب فکر اور دینی جماعتوں کی قیادتوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ مشترکہ دینی وقومی مقاصد کے لیے باہمی رابطوں اور اتحاد کو مستقل اور یقینی بنانے کی طرف آگے بڑھیں گے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کو سیکولر یا لبرل ملک بنانے کے اعلانات اور عزائم کو متحد ہوکر ناکام بنادیں گے۔

☆ وہ ملک کی سلامتی، امن عامہ کے قیام واستحکام، اور بیرونی دشمنوں کے مقابلہ کے لیے وطن عزیز کی مسلح افواج پر مکمل اعتماد رکھتے ہیں اور ان مقاصد کے لیے ان کے اقدامات اور کارروائیوں کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ ملک کی جغرافیائی سرحدوں کے ساتھ ساتھ وطن عزیز کی نظریاتی اور تہذیبی سرحدوں کی حفاظت بھی ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔ اور ہم سب کو مل جل کر وطن عزیز اور پاکستانی قوم کے خلاف عالمی تہذیبی یلغار کا مقابلہ کرنا ہوگا۔

☆ وہ دینی مدارس کے اساتذہ، طلبہ اور کارکنوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں کہ وہ اپنی تعلیمی وثقافتی جدوجہد میں دستور وقانون اور امن وسلامتی کے تقاضوں کی مکمل پاسداری کریں، امن عامہ کے قیام کے لیے ریاستی اداروں کے ساتھ ہر ممکن تعاون کریں، اور شرپسند عناصر کو کسی طرح بھی اپنی صفوں میں گھسنے کا موقع نہ دیں۔

☆ وہ یہ اعلان بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس اور ان کے اساتذہ وطلبہ کی دینی جدوجہد کا دائرہ صرف اور صرف تعلیم وتدریس، اسلامی عقائد کا تحفظ، اور مسلمانوں کی تہذیبی ثقافت وماحول کی بقاوحفاظت ہے جو تمام تر رکاوٹوں کے باوجود جاری رہے گی۔ ملک کی انتخابی وگروہی سیاست اور اقتدار کی کشمکش سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ملک کی تمام دینی اور اسلام پسند سیاسی جماعتیں ان کے لیے اس حوالہ سے یکساں ہیں اور وہ سب سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ دینی تعلیم کے فروغ اور اسلامی عقائد وثقافت کے تحفظ کے لیے دینی مدارس کا ساتھ دیں گی۔

☆......☆......☆

43ویں سالانہ روایتی قدیمی مجلس ذکر حسین رضی اللہ عنہ

43ویں سالانہ قدیمی مجلس ذکر حسین رضی اللہ عنہ مکمل ویڈیو پروگرام Dvd's، میموری کارڈ، USB میں حاصل کریں

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی، ایم ڈی اے چوک ملتان، فون: 0300-8020384

ایک عظیم تحقیقی کتاب ''امام طبری کون؟ مؤرخ، مجتہد یا افسانہ ساز''

اوریا مقبول جان

ایک عمر تاریخ کی راہداریوں میں گھومتے اور اس کی بھول بھلیوں میں سفر کرتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ گزشتہ دو ڈھائی ہزار سال سے مرتبہ تاریخ کے صفحات میں سچ ڈھونڈنا انتہائی مشکل اور تھکا دینے والا عمل ہے۔ جو بھی اس راستے کا راہی بنا اس نے سب سے پہلے اپنے اندر موجود تعصّبات کے بتوں کو پاش پاش کیا اپنے نظریات اور عقائد کو پس پشت ڈالا اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف کے بارے میں احترام کے رشتے کو ختم کیا اور پھر وہ اگر تاریخ میں سچ ڈھونڈنے نکلا تو اسے سچ ضرور ملا۔ یہ الگ بات ہے کہ یہ سچ اس قدر کم ہے کہ انسان کی مرتب کردہ تاریخ کے خزانوں میں اتنا ہی بچتا ہے جتنا چیل کے گھونسلے میں ماس۔ لیکن یہی سچ مقدس ہے محترم ہے اور لائق اعتبار ہے۔

اسلامی تاریخ کا حال دنیا بھر کی تواریخ سے کہیں زیادہ خراب ہے۔ اس لیے عرب تاریخ کے فن سے بالکل نا آشنا تھے بلکہ ان کے ہاں شاعری نے اس قدر اہمیت اور مقام حاصل کر لیا تھا کہ باقی علوم کی جانب ان کی توجہ ہی نہ گئی۔ سبعہ معلقات وہ سات قصیدے تھے جو خانہ کعبہ کی دیواروں پر لٹکائے گئے تھے یہ ان سات بڑے شاعروں کے تھے جنھیں عرب صاحب معلقہ کہتے اور معاشرے میں سب سے اہم مقام عطا کرتے۔ ایک اور فن جس میں یہ طاق تھے وہ انساب تھا یعنی نام ونسب نسلی پہچان اور تفاخر۔ صدیوں پرانے اپنے آباؤ اجداد کے ناموں کی بنیاد پر وہ اپنے شجرے مرتب کرتے انھیں یاد رکھتے اور فخر کے طور پر اپنے اشعار میں ان کا تذکرہ کرتے۔ چونکہ عرب کا معاشرہ درباروں، شاہی کروفر اور محلات سے کوسوں دور تھا اس لیے ان کے ہاں کسی نے بھی نیت باندھ کر تاریخ مرتب نہیں کی۔ تاریخ تو بادشاہوں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے وجود اور اپنی سلطنت کے امور کو آنے والی نسلوں تک منتقل کریں اور شاہی مورخ ایک خاص شاہانہ تعصب کے ساتھ تاریخ لکھتا، بادشاہ کے گن گاتا اس کے دشمنوں کے نقائص بیان کرتا تھا بلکہ اپنی قوم نسل علاقے اور زبان کے حوالے سے ہر تعصب کو ذہن میں رکھ کر تاریخ مرتب کرتا تھا۔ اسلام کی تاریخ کا سب سے بڑا سچ یہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی خلفاء حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم میں کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جسے اس بات کا ذرا سا بھی شوق ہو کہ ان کے ادوار کی تاریخ مرتب ہو یا ان کے کارنامے کتابوں کی زینت بنیں۔ وہ تو خلافت کو ایک بار امانت تصور کرتے ہوئے ہر وقت اللہ کے سامنے جوابدہی کے خوف سے لرزتے رہتے تھے۔ دنیا کی دو عالمی طاقتوں کو شکست

دے کر ان کے علاقوں پر حکمرانی کرنے والے ان خلفاء کا نہ کوئی دربار تھا اور نہ ہی محل، بلکہ اتنی بڑی سلطنت کا کوئی سیکرٹریٹ تک نہیں تھا جبکہ روم اور ایران دونوں کے وسیع سیکرٹریٹ تھے۔ رومی علاقے شام ومصر اور ایرانی علاقے عراق، آذربائیجان، ایران وغیرہ میں کتنے ایسے مورخین اور قلم کار تھے جو بادشاہوں کی تاریخ مرتب کرتے، قصیدے کہتے اور اپنی روزی روٹی کا بندوبست کرتے۔ یہ سب کے سب چشم زدن میں بیروزگار ہو گئے۔ دونوں خطوں کے لوگ عربوں کو اپنے سے کمتر، پسماندہ اور تہذیب سے عاری تصور کرتے تھے بلکہ ایرانیوں کا یہ فخر تو مدتوں قائم رہا اور شاہنامہ فردوسی میں یہ اس قدر کھل کر سامنے آیا کہ اس کے اشعار میں جا بجا مسلمان فاتحین کو عرب کہہ کر نفرت بھرے اشعار لکھے گئے۔

شیر شتر خوردن و سو سمار عرب را بجائے رسید است و کار
کہ تخت کیہاں راکنند آرزو تفو بر تو ای چرخ گرداں تفو

ترجمہ: ”اونٹنیوں کا دودھ پینے اور گوہ کا گوشت کھانے والے عربوں کو یہ کیا ہو گیا ہے کہ یہ کیہان یعنی ایران کے تخت کی آرزو کرنے لگے ہیں۔ اے ٹیڑھی چال والے آسمان تم پر نفرین ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ وہ تمام علاقے جہاں سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ، اسلام لے کر پہنچے وہاں کی مادری زبان تک عربی ہو گئی۔ عراق، شام، اردن، مصر، تیونس، الجزائر وغیرہ میں کبھی عربی نہیں بولی جاتی تھی لیکن آج وہ عرب دنیا کا حصہ ہیں۔ ایرانیوں نے اپنی تہذیب کا تشخص برقرار رکھنے کے لیے پوری جدوجہد اور سر توڑ کوشش کی۔ اسی ایرانی تہذیب کے خوشہ چین اور اس کی مدح سرائی میں گم کتنے مورخ، شاعر، ادیب ایسے تھے جو حلقہ بگوش اسلام ہوئے یوں مسلمان جو فن تاریخ سے نا آشنا تھے اور اپنے عقائد کی بنیاد قرآن اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر رکھتے تھے ان کے ہاں کتب تاریخ کا رواج نہ پڑ سکا۔ سنت کا تو ان کے ہاں ایک تسلسل تھا کیونکہ ہر کوئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اولاد تک منتقل کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے انھوں نے آپ کے ارشادات پر مبنی احادیث کا ایک ذخیرہ بھی مرتب کر لیا تھا۔ یہ ذخیرہ خود رسول برحق کی زندگی میں ہی مرتب ہونا شروع ہو گیا تھا جس کی مثلاً صحیفہ ہمام ابن منبہ ہے۔ احادیث کے بارے میں انھوں نے کمال احتیاط برتی اور ایک ایک راوی کے کردار، اخلاق اور ایمان وعقیدہ کو بھی زیر بحث لائے۔ لیکن تاریخ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس رہا۔ شاہی درباروں کے عادی اور نسلی تعصب سے لتھڑے ہوئے مورخین نے اسلام کی تاریخ مرتب کرنا شروع کی۔ حدیث تو سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص رضی اللہ عنہم جیسے صحابہ نے مرتب کرنا شروع کر دی تھی اور ان کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ لیکن تاریخ کی پہلی کتاب سیرت النبی پر ابن اسحاق کی سیرت ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے سو سال بعد لکھی گئی۔ اس وقت امام مالک بن انس مدینہ منورہ میں موجود تھے اور لوگ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے

حوالے سے حجت مانتے تھے۔ انھوں نے جب ابن اسحاق کی کتاب دیکھی تو حیرت سے بولے کہ اس نے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بے بنیاد قصے اور نظمیں گھڑی ہیں۔ جس پر محمد بن اسحاق کو مدینہ بدر کر دیا گیا وہ مصر اور پھر عراق چلا گیا۔ یہ کتاب ناپید ہوگئی لیکن اس کی ایک سو سال بعد تلخیص ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرت ابن ہشام میں پیش کی۔ لیکن اس کتاب کو طبری نے اپنی تاریخ میں خصوصی جگہ دی۔ وہ کتاب جسے امام مالک نے بے بنیاد قصوں اور نظموں کی ملاوٹ سے آلودہ کتاب قرار دیا تھا کئی صدیاں گزرنے کے بعد طبری کے ہاں معتبر تاریخی مواد بن گئی اور آج ہر کوئی اس کی بنیاد پر اسلام کی تاریخ پر سوالیہ نشان اٹھاتا ہے۔

آج سے ایک سال قبل ۷؍جولائی ۲۰۱۵ء کو میں نے طبری کے بارے میں ایک کالم ’’ہمارے افسانہ ساز مورخین‘‘ کے نام سے تحریر کیا تھا۔ جس میں اس کی تاریخ کے مواد پر اعتراضات کیے تھے۔ اس کے بعد اخبارات میں ایک طویل بحث چل نکلی۔ میرے سیکولر دوست طبری کے دفاع میں آئے لیکن پھر خاموش ہوگئے جب کہ منبر و محراب سے محمد اسماعیل ریحان صاحب نے کالموں کا ایک سلسلہ ’’علامہ طبری۔ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز‘‘ تحریر کیا۔ جس کے جواب میں ۴؍ستمبر ۲۰۱۵ء کو میں نے ’’خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے‘‘ کے عنوان سے کالم تحریر کیا اور طبری کے ان راویوں پر طویل بحث کی جنھیں ائمہ جرح و تعدیل جھوٹے اور کذاب کے طور پر گردانتے ہیں۔ کالموں کا دامن بہت مختصر ہوتا ہے۔ اس میں علمی بحث دلائل کے ساتھ نہیں سمیٹی جا سکتی۔ اس کے لیے موثر تحقیق چاہیے۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میرے ان دو کالموں اور محمد اسماعیل ریحان صاحب کے نو عدد کالموں کو بنیاد بنا کر پروفیسر قاضی طاہر علی الہاشمی نے ساڑھے آٹھ سو صفحات پر مشتمل ایک جامع تحقیق مرتب کر کے چھاپ دی۔ کتاب کا عنوان ہے ’’امام طبری کون؟ مورخ، مجتہد یا افسانہ ساز‘‘۔ یہ کتاب بہت ہی عرق ریزی اور محنت سے تحریر کی گئی ہے اور تاریخ کے متعصب اور من گھڑت مواد میں سے سچ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی حویلیاں، ہزارہ کی جامع مسجد میں خطیب بھی ہیں۔ پروفیسر صاحب پبلشنگ کے مراکز لاہور، اسلام آباد اور کراچی سے بہت دور ہیں۔ اس دوری نے ان میں ایک اور طرح کی جرات رندانہ بخشی ہے۔ انھوں نے ہمت کر کے یہ کتاب خود چھاپی ہے اور کمال خوبصورت چھاپی ہے اور قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد حویلیاں، ہزارہ کے زیر اہتمام طباعت کی گئی ہے۔ کتاب اس قدر وسیع اور تحقیق اس قدر خوبصورت ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان علماء، فقہا اور فضلاء یاد آ جاتے ہیں۔ تاریخ کے کوڑے دان سے سچ کو تلاش کرنے کا یہ کام بہت عظیم ہے۔ مدتوں بعد منبر و محراب اور مدرسے کی چٹائیوں سے ایک اہم کام ہوا ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ ’’ایکسپریس‘‘ ملتان، ۱۴؍اکتوبر ۲۰۱۶ء)

مظہر حسین، ترکی بن سعود اور ہمارا عدالتی نظام

مفتی توصیف احمد

۲۰ سال قبل ایک واقعہ رونما ہوتا ہے، ایک شخص قتل ہوتا ہے، ملزم کو نامزد کیا جاتا ہے، اس کے خاندان پر افتاد ٹوٹ پڑتی ہے، وہ دوہائیاں دیتے ہیں ہم مظلوم ہیں ہم نے قتل نہیں کیا۔ بہر حال قاتل بااثر ہے غریب کو دبوچ لیتا ہے، رپورٹ درج ہوتی ہے، کیس چلتا ہے اور طویل ترین کیس ہوتا ہے، کئی نشیب وفراز اس کی زندگی میں آتے ہیں، اس کا والد مقدمے کی پیروی کرتا ہے، عدالت کے چکر کاٹتا ہے اور چکر کاٹتے کاٹتے اس کی زندگی کا سفر کٹ جاتا ہے۔ چچا میدان میں آتا ہے دشمن ظالم نظریں جمائے بیٹھا ہے، زمین جائیداد نیلام ہوتی ہے، کیس چل رہا ہے چچا بھی عدالتی نظام کے شکنجے میں روز بروز پھنستا جاتا ہے ایک روز زندگی وفا نہیں کرتی اور داغ مفارقت دے جاتی ہے، ملزم جیل کی سلاخوں کے پیچھے اکیلا ہے کوئی کیس کی پیروی کرنے والا نہیں۔ باپ اور چچا اللہ کو پیارے ہوگئے وہ انصاف کا منتظر ہے شاید اللہ کی عدالت میں اس نے اپلائی کر دیا تھا، اب عدالتی نظام کی بے رحم موجیں دبیز تہوں میں پھنسے انصاف کو اوپر لاتی ہیں، سوموٹو ایکشن ہوتا ہے یا کسی جج میں خداخوفی کی رگ پھڑکتی ہے، کیس اوپر آتا ہے اور ملزم کو عدالت کی طرف سے باعزت بری کر دیا جاتا ہے، خوشی کے شادیانے بجتے ہیں، بیس سال بعد انصاف میڈیا کے ہاتھ لگتا ہے، میڈیا ٹیمیں ملزم کے گھر کا سراغ لگاتی ہیں اس بات سے قطعی بے خبر کے ملزم کہ گھر میں خوشی کے شادیانے نہیں بلکہ غموں کے بادل منڈلا رہے ہیں شاید اس کی قبر کی مٹی بھی خشک ہو چکی تھی۔

یہ کہانی مظہر حسین کی ہے جو پنجاب کا رہائشی تھا اور قتل کے جھوٹے مقدمے میں ۲۰ سال سے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتا اس دنیا سے نالاں ہوکر اللہ کے حضور پہنچ چکا تھا، اس واقعے کی شہرت میڈیا تک پہنچتی ہے اور اعلیٰ عدلیہ پر سوال اٹھتے ہیں ہر کوئی عدالتی نظام کی پیچیدگیوں پر چہ مگوئیاں کرتا ہے۔ اتنی سست روی کہ مقدمے کے تین فریق دنیا سے چل بسے اور انصاف کا سورج طلوع ہوا۔

ابھی مظہر حسین کے کیس کی صدائے بازگشت جاری تھی کہ اس کیس سے ملتا جلتا ایک اور مقدمہ سامنے آتا ہے، دو بھائیوں کو عدالت عظمیٰ سے بری ہونے کا پروانہ ملتا ہے، عدالت گواہوں کے بیان میں تضاد سے مطمئن نہیں دکھتی اور فرمان جاری کرتی ہے کہ ان گواہوں کی شہادت سے سزائے موت نہیں دی جاسکتی لھٰذا ملزمان کو بری کیا جاتا ہے، اسی اثناء میں معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور عدالت ان بھائیوں کی سزا میں توثیق کر چکی ہے اور وہ بہاول پور کی جیل میں پھانسی پر چڑھا دیے گئے ہیں۔ مظہر حسین بیس سال بعد انصاف کے حق دار بنتے ہیں اور عدالت عالیہ کی طرف سے بری ہونے کا نوٹیفیکیشن

شاید ان کی قبر کے کتبے پر چسپاں کیا جائے گا، ان کی نسلیں اس براءت سے شاہد مستفید ہوسکیں اور دو بھائی کس جرم کی پاداش میں تختہ دار پر لٹکائے جاتے ہیں۔......

ان واقعات کے تناظر میں اگر اسلام کے عدالتی نظام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے یہاں امیر وغریب یکساں ہیں۔انصاف حکومت اور دولت کی ریل پیل اور دمک سے دبتا نہیں۔حاکم بھی عدالت کے کٹہرے میں برابر کھڑا ہوتا ہے، قاضی شریح کی عدالت میں امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طلبی ہوتی ہے، زرہ کی گمشدگی اور یہودی کی ملکیت کا کیس ہے باوجود یکہ امیر المومنین جانتے ہیں کہ زرہ ان کی ہے، قاضی صاحب امیر المومنین کی آمد پر کھڑے ہوتے ہیں تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”میں یہاں امیر المومنین نہیں بلکہ فریق مقدمہ کے طور پر حاضر ہوا ہوں۔عدالت گواہ طلب کرتی ہے تو سیدنا علیؓ اپنے بیٹے حسن کو پیش کرتے ہیں۔عدالت بیٹے کو بطور گواہ قبول نہیں کرتی تو مقدمہ خارج ہوتا ہے اور زرہ یہودی کی ملکیت قرار پاتی ہے اور یہودی حلقہ بگوش اسلام ہوجاتا ہے۔صرف اس لیے کہ ایک تو فوری انصاف اور دوسرا حاکم وقت کے خلاف ......جس کی آج کل توقع بھی نہیں کی جاسکتی۔

گزشتہ پنج سال میں سابق چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری نے انصاف کے تقاضے کسی حد تک پورے کئے، کسی حد تک یہ معلوم ہونے لگا تھا کہ اب انصاف غریب کی دہلیز پر میسر ہوگا جو قانون حکمرانوں کو عدالت کے کٹہرے میں گو کہ ”تیس سیکنڈ“ کے لاسکتا ہے وہ اس ملک کے غریبوں کو بھی انصاف فراہم کرے گا۔پھر ایسی خاموشی ہوئی کہ انصاف کی اعلیٰ مثالیں آنا بند ہوگئیں

حال ہی میں سعودی شاہی خاندان کے شہزادے ترکی بن سعود کو دوست کے قتل کرنے پر سزائے موت دی گئی اور کسی بااثر حکومتی شخصیت نے عدالتی فیصلے پر اثر انداز ہونے کی کوشش نہیں کی۔اس بات سے قطع نظر کہ دیت کے معاملے میں کافی منت سماجت اور سفارش کی گئی لیکن کوئی شخصیت اور ریالوں کی کثرت انصاف کے تقاضوں میں حائل نہ ہوئی اور اس شہزادے کی گردن اڑا کر انصاف کا ایک روشن باب قائم کیا گیا۔ہم بحیثیت پاکستانی اس طرح کے انصاف کی توقع کر سکتے ہیں؟ کسی شاہی خاندان کے سپوت کے خلاف ایسی کارروائی ممکن ہے؟ قصاص میں قتل دور کی بات ہے کیا ہم پانامہ لیکس کے حوالے سے عدالت پر اثر انداز تو نہ ہوں گے؟ منی لانڈرنگ اور ایان علی کیس میں تفتیشی افسر کے قتل سے کچھ سیکھیں گے یا مظہر حسین کی طرح بیس سال قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد عدالت سے بری ہونے کے پروانے لیتے رہیں گے......؟ بہاول پور کے دو بھائیوں کے قتل کا ذمہ دار کون ہے؟ عدالت پولیس یا گواہان؟ اگر ہر کیس کو فوری حل کیا جائے تو اس طرح کے واقعات رونما نہ ہوں جنہیں سن کر شرمندگی کا احساس ہو۔

دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اسلامی ریاست کا نقشہ

مولانا زاہد الراشدی

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے قبل یثرب کے علاقہ میں ریاست کا ماحول بن چکا تھا اور اس خطہ میں قبائلی معاشرہ کو ایک باقاعدہ ریاست وحکومت کی شکل دینے کی تیاریاں مکمل تھیں۔ بخاری شریف کی روایت کے مطابق انصار مدینہ کے قبیلہ بنوخزرج کے سردار حضرت سعد بن عبادہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس بحیرہ (سمندر کے کنارے ساحلی پٹی) کے لوگوں نے باقاعدہ حکومت کے قیام کا فیصلہ کر کے عبداللہ بن اُبی کو اس کا سربراہ منتخب کر لیا تھا اور صرف تاج پوشی کا مرحلہ باقی رہ گیا تھا کہ آپ یعنی جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جس سے عبداللہ بن اُبی کی بادشاہی کا خواب بکھر گیا۔ البتہ وہ ریاست تشکیل پا گئی اور اس کے لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطہ کے قبائل کے درمیان ''میثاق مدینہ'' کے عنوان سے معاہدہ کرا دیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا گیا۔ یہ ''ریاست مدینہ'' کا نقطۂ آغاز تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اس ریاست کو نظریاتی اساس فراہم ہوئی جس کی وجہ سے اسے علاقائی محدودیت سے نکال کر دنیا کی وسعت کے ایسے امکانات میسر آ گئے کہ یہ ریاست جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال تک صرف دس سال کے عرصہ میں پورے جزیرۃ العرب کا احاطہ کر چکی تھی اور اس کے بعد ربع صدی کے اندر ایشیا، یورپ اور افریقہ کے بہت سے علاقوں کو اس نے اپنے دائرہ میں شامل کر لیا تھا۔

ریاست کی تعریف عام طور پر یہ کی جاتی ہے کہ کسی متعینہ علاقہ کے رہنے والے لوگ ایک باقاعدہ حکومتی نظم کے تحت زندگی بسر کر رہے ہوں تو وہ علاقہ ریاست کہلاتا ہے۔ چنانچہ ریاست مدینہ کو یہ حیثیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں حاصل ہو گئی تھی کہ ایک مستحکم نظام حکومت قائم تھا جس میں (۱) مشاورت (۲) داخلی نظم ونسق (۳) دفاع (۴) معیشت (۵) عدلیہ اور (۶) خارجہ تعلقات ومعاہدات کے اہم شعبے منظم طریقہ سے کام کر رہے تھے۔ جبکہ اس ریاست کی حدود بھی متعین اور واضح تھیں جیسا کہ غزوۂ تبوک سے ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معلوم ہوا کہ سلطنت روم کی افواج مدینہ منورہ پر چڑھائی کے لیے شام میں تیاریاں کر رہی ہیں، شام اس وقت رومی سلطنت کا صوبہ تھا اور بتایا جاتا ہے کہ خود قیصر روم اس حملہ کی تیاریوں کے لیے شام میں موجود تھا، جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اطلاعات پر یہ فیصلہ کیا کہ رومی فوجوں کو مدینہ منورہ پر حملے کا موقع دینے کی بجائے خود پیش قدمی کر کے شام کے علاقہ کو میدان جنگ بنایا جائے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھاری لشکر تیار کر کے شام کی طرف سفر شروع کر دیا لیکن تبوک جا کر رک گئے جو کہ شام کی سرحد پر واقع ہے اور آج بھی سعودی عرب کا سرحدی شہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے آگے نہیں بڑھے اور ایک ماہ تک وہیں قیام کر کے رومی فوجوں کے حملہ کا انتظار کرتے رہے۔ قیصر روم کو جب پتہ چلا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر کی قیادت کرتے

ہوئے تبوک تک آ گئے ہیں تو اسے حملہ کی ہمت نہیں ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے علاقہ میں ایک ماہ قیام کرنے کے بعد لشکر سمیت مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے تبوک مدینہ منورہ سے اس وقت ایک ماہ کی مسافت پر تھا اور اسی واقعہ کے حوالہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ نصرت بالرعب میسرۃ شہر ایک ماہ کی مسافت سے دشمن پر رعب کے ذریعہ میری مدد کی گئی ہے۔ غزوۂ تبوک سے دوسرے مقاصد کے ساتھ ساتھ ایک مقصد یہ بھی حاصل ہوا کہ اسلامی ریاست اور رومی سلطنت کے درمیان بین الاقوامی سرحد کا تعین ہو گیا اور یہ تعین خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ہوا۔ اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال سے قبل جو چند ہدایات دی تھیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب کہ یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے وقت جزیرۃ العرب اسلامی ریاست کے دائرہ میں شامل ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ اس کے دو انتہائی کنارے یمن اور بحرین بھی اس ریاست کا حصہ بن گئے تھے جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات جاری ہوتے تھے۔

اسلامی ریاست اور دوسرے ممالک کے درمیان سرحدات کا تعین نہ صرف یہ کہ واضح تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سرحدات کے احترام کا بھی حکم دیا تھا۔ جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے دور خلافت میں ان کا رومی حکومت کے ساتھ کچھ عرصہ تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ تھا، اس معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے چند روز قبل حضرت معاویہؓ نے دمشق سے اسلامی فوجوں کو روم کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا اور خود کمان کرتے ہوئے روم کی سمت روانہ ہو گئے۔ سفر کے کچھ مراحل طے کر چکے تھے کہ ایک بزرگ صحابی رسول حضرت عمرو بن عبسۃؓ تیز رفتاری کے ساتھ ان کا تعاقب کر کے لشکر تک پہنچے اور حضرت معاویہؓ کو یاد دلایا کہ ان کا ایک متعین مدت تک رومیوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ موجود ہے تو وہ لشکر ساتھ لے کر روم کی طرف پیش قدمی کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا کہ مجھے بھی وہ معاہدہ یاد ہے اور مدت بھی معلوم ہے جس کی خلاف روزی کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ البتہ میں نے یہ حکمت عملی اختیار کی ہے کہ معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے قبل روم کی سرحد پر لشکر پہنچا دوں تا کہ مدت ختم ہوتے ہی حملہ کر سکوں۔ اس پر حضرت عمرو بن عبسۃؓ نے بتایا کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب کسی قوم کے ساتھ تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو تو معاہدہ کی مدت ختم ہونے سے قبل اپنی فوجوں کو مرکز سے حرکت نہ دو۔ حضرت معاویہؓ نے اس پر حضرت عمرو بن عبسۃؓ سے صرف یہ سوال کیا کہ کیا یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے خود سنی ہے؟ انہوں نے اس کا جواب ہاں میں دیا تو حضرت معاویہؓ نے کسی حیل وحجت کے بغیر لشکر کو واپسی کا حکم دے دیا اور خود اس کی قیادت کرتے ہوئے دمشق لوٹ گئے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور حضرات صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اسلامی ریاست کا نقشہ بالکل واضح تھا، اس کی سرحدات متعین تھیں اور بین الاقوامی سرحدات کے بارے میں واضح قوانین وضوابط بھی موجود تھے، اس لیے یہ کہنا کہ اسلام کے دور اول میں ریاست، حکومت، یا سرحدات کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا تھا، تاریخ سے بے خبری یا تاریخی حقائق کو شکوک وشبہات کے دھندلکوں میں غائب کر دینے کی ناکام کوشش ہی کہلا سکتا ہے۔

امن وسلامتی کا نشان، نواسۂ رسول سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

پروفیسر ابوطلحہ عثمان

علی رضی اللہ عنہ اور نبی کے بھانجے اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جان دے دی مگر امت میں باہم دنگا فساد نہ ہونے دیا۔ خلافت اس لیے نہ چھوڑی کہ محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ عثمان تمہیں (خلافت کا) قمیص پہنایا جائے گا، لوگ تجھ سے اسے اتارنے کا مطالبہ کریں گے مگر تم نہ اتارنا، دوسری طرف اپنے وقت میں جانشین علی، نواسۂ نبی، سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت دے دی مگر امت میں جنگ وجدل نہ ہونے دیا۔ محبوب نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا: میرا یہ نواسہ سردار ہے ''مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں میں صلح کرائے گا۔'' سیدنا حسن کی خلافت سے دستبرداری اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہ کی دست معاویہ رضی اللہ عنہ پر بیعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی پوری فرمادی۔ اہل اسلام پھر سے ایک ہو گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب اور فتوحات میں رکاوٹ آ گئی تھی۔ اب پھر سے طوفانی فتوحات شروع ہو گئیں۔ اہل اسلام نے خوش ہو کر اس سال کا نام ہی ''عام الجماعۃ'' رکھ دیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے آخر زمانہ میں جو عجمی فتنہ شروع ہوا اور ایک سازش کے تحت ذی النورین کو شہید کر دیا گیا۔ بڑے بڑے ممالک مجاہدین اسلام نے فتح کر لیے تھے۔ ایرانی سطوت اور روم وشام کی شان وشوکت اصحاب رسول کے قدموں پر نچھاور ہو چکی تھی۔ سیدنا فاروق اعظم کو شہید کر کے معاندین خوش تھے کہ اب اسلام کا سیل رواں رک جائے گا، مگر ہوا کیا؟ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اسلامی سکہ ۲۲ لاکھ مربع میل پر چل رہا تھا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی انتظامی صلاحیتوں اور مجاہدانہ سرگرمیوں سے وہ ۴۴ لاکھ مربع میل تک رواں دواں ہو گیا۔ نصرانی اور یہود ومجوس کی سازشیں ناکام ہوئیں، بالآخر اس دشمن اسلام مثلث نے اندر گھس کر حملے کا سوچا۔ سوء اتفاق سے انھیں ایک عیار ''ابن سبا'' ہاتھ آ گیا اس نے حبِ علی اور حبِ آلِ رسول کا چولا پہنا اور اہل مدینہ جب حج کے موقع پر مکہ چلے گئے سبائی سازشی ٹولہ حاجیوں کے لباس میں مدینہ پہنچا۔ مدینہ میں موجود چند گنتی کے صحابہ اور دوسرے لوگ موجود تھے جبکہ ان کو بھی سیدنا عثمان نے دفاعی جنگ لڑنے کی اجازت نہ دی۔ وہ فرماتے تھے اپنے تحفظ کے لیے حرم مدینہ میں خون کا قطرہ نہیں بہنے دوں گا۔ مگر اعدائے اسلام تو سازش کے تحت آئے ہی خلیفۂ راشد اسلام کو شہید کرنے کے لیے تھے۔ انھوں نے چالیس روز محاصرے کے بعد نہایت بے دردی وسفاکی سے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور جبراً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اصل میں وہ سیدنا علی کو ڈھال بنا کر اپنا منشور پورا کرنا چاہتے تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے عذر پر انھوں نے کہہ دیا تھا کہ اگر

آپ بیعت نہیں لو گے تو ہم تمہیں بھی عثمان کے ساتھ ملا دیں گے۔ سیدنا علی کو خیال ہوا کہ چلو بیعت لے کر ہم اصلاح احوال کرلیں گے۔ دوسری طرف بزرگ اصحابِ رسول اور عشرہ مبشرہ کے ارکان حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہما اور ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بھی قصاص عثمان کا مطالبہ کر دیا اور ایک روایت کے مطابق انھوں نے اس شرط کے ساتھ بیعت کی کہ سیدنا عثمان کے قاتلوں سے بدلہ لیا جائے گا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی یہی چاہتے تھے، مگر ان کے سب سے پہلے بیعت کرنے والے قاتلان عثمان مالک اشتر وغیرہ ہی تھے۔ اب یہی مالک اشتر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سپاہ کا کمانڈر بن گیا تھا۔ سازشیوں نے قصاص عثمان کے مطالبہ میں پیش رفت نہ ہونے دی۔ اسی پر جنگ جمل اور پھر جنگ صفین پیش آئی۔ سازشیوں نے اب سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی کو نشانہ بنایا۔ اس پورے عرصہ میں اسلام کا جھنڈا ایک انچ آگے نہ بڑھ سکا، ایک انچ زمین فتح نہ ہوسکی۔ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما میں مصالحت کی کوشش کی گئی مگر صلح میں تو اہل باطل، اعدائے اسلام، منافقین کو اپنی موت نظر آ رہی تھی۔ انھوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر ہی کفر کا فتوی لگا دیا۔ جنگ نہروان پیش آئی مگر مسئلہ کا حل نہ نکل سکا اور پھر انہی اہل فتنہ لوگوں نے سیدنا علی کو شہید کر دیا۔ ولی عہد کے طور پر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے نظام خلافت سنبھالا مگر مدعیان حب آل رسول نے ان پر بھی حملہ کر دیا۔ وہ زخمی ہوئے اور پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنے برادر بزرگوار کے ہمراہ بیعت کر چکے۔ اب سازشی مہروں کو چن چن کر الگ کیا گیا اور دامن اسلام وسیع تر ہو گیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقبوضہ اسلام گیارہ لاکھ مربع میل کو دوگنا کر کے بائیس لاکھ تک پہنچایا تھا۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فاروقی عدل سے مستفید ہونے والے بائیس لاکھ مربع میل کو پھر سے دوگنا کر دیا یعنی چوالیس لاکھ مربع میل تک حکمرانی اسلام پہنچ گئی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ڈھائی تین سال تک خلافت علی کے زمانہ میں اہل باطل نے ایک عارضی بند لگایا جو نواسۂ نبی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے بیعت سیدنا معاویہ کر کے دوبارہ جاری کر دیا۔ تقریباً چھیاسٹھ لاکھ مربع میل پر پھر سے امن وسلامتی کا جھنڈا، علم اسلام لہرانے لگا۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلافت کے مدعی نہ تھے مگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیعت کر لی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بھی عرض کیا کہ ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہمارا دین سونپا (یعنی مصلی نبوی حوالہ کیا) ہم نے اپنی دنیا (یعنی خلافت) بھی آپ کے حوالے کر دی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کے مدعی نہ تھے مگر جانشین رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کو نامزد کر دیا۔ وصیت نامہ کھولنے سے پہلے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے یوں اظہار کیا تھا کہ ہم صرف عمر بن خطاب کی خلافت پر راضی ہوں گے۔ اور یہ ان کی معصوم تمنا تھی۔ وصیت نامہ پڑھ کر سنایا گیا تو وہ پوری ہو چکی تھی۔ عجمی سازشیوں، کافروں نے سیدنا امیر المومنین، سیدنا عمر فاروق کو شہید کر دیا تو شہادت سے پہلے وہ ایک چھ رکنی

خلافت کمیٹی نامزد کر چکے تھے۔اس چھے رکنی خلافت کمیٹی نے دو محترم ارکان (عثمان اور علی) دونوں نبی کے داماد بھی تھے اور نبی علیہ السلام کے خاندان قریش کی عظیم شاخ بنی عبد مناف میں سے بھی تھے۔اہل مدینہ اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی اکثریتی رائے کے مطابق سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو منصب خلافت سونپا گیا۔سیدنا عثمان کی زبردست انتظامی صلاحیتوں اور مضبوط گرفت سے اسلام روز افزوں ترقی کرتا رہا پھر سیدنا عثمان کو شہید کیا گیا اور ولائے علی کا دعویٰ کیا گیا مگر مقصد پورا نہ ہوا تو ان کو بھی شہید کر دیا۔ نواسۂ رسول ابن علی سیدنا حسن دشمنانِ اسلام اور ان کی سازشوں کو بھانپ گئے۔انھوں نے اسلام کی نمائندگی سیدنا امیر معاویہ کے سپرد کر دی جبکہ خود وہ بھی بنی عبد مناف میں سے تھے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زلف اور برادر نسبتی بھی تھے۔قیادت کا عہدہ کئی پشتوں سے بنی عبد مناف کی شاخ بنی امیہ میں چلا آرہا تھا اور انھوں نے اپنے کو اس کا اہل ثابت کر دیا تھا۔دعویٰ خلافت سیدنا معاویہ نے کبھی نہیں کیا تھا۔وہ کہتے تھے خلافت تو سیدنا علی ہی رکھیں مگر میں شہید مظلوم سیدنا عثمان کا عم زاد بھائی ہوں اور ان کی طرف سے مجھے ذمہ داری سونپی گئی ہے (یہ بات شاید اس طرف اشارہ ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنا وصی نامز کر دیا تھا۔[از مضمون نگار]) وہ کہتے تھے سیدنا عثمان کے بیٹے بھی میرے ساتھ ہیں اور اس طرح ہم سیدنا عثمان کے شرعی وارث ہیں۔ہم ان کے خون کا بدلہ مانگتے ہیں۔سیدنا قاتلان عثمان جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں چھپے ہیں، ان کو قصاص کے لیے ہمارے حوالہ کیا جائے۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم اس پر قادر نہیں ہیں۔عملی طور پر صلح کی ہر کوشش کی کامیابی سے پہلے فتنہ کھڑا کیا جاتا رہا۔حکمین نے از خود نوٹس لے کر تا فیصلہ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کو اپنے زیر اختیار علاقوں میں حکم امتناعی (say order) دے کر صلح کی کوششیں جاری رکھیں مگر اہل فتنہ سازشی گروہ نے نماز فجر میں دونوں جگہ حملہ کر دیا سیدنا معاویہ زخمی ہوئے۔سیدنا علی نے شہادت کا جام نوش فرمایا اور شہادت کے وقت سیدنا حسن کو وصیت فرمائی کہ امیر معاویہ کی حکمرانی کو ناپسند نہ کرنا ورنہ حنظل کی طرح سر کٹ کٹ کر گریں گے۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت سیدنا معاویہ کے سپرد کر دی۔دشمن کی امیدوں پر اوس پڑ گئی مگر وہ کسی نئی سازش کی تیاری کرنے لگے۔سیدنا حسن کے لیے نبوی پیش گوئی پوری ہوئی۔اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں پر لازم ہے کہ اپنی جاہ طلبی چھوڑ کر جماعت مسلمین کی خیر خواہی کر کے سبط نبی کی سنت پر عمل کریں اور حسنین کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا استحقاق اپنے نام ریزرو کروالیں۔سیدنا حسن رضی اللہ عنہ ایک ایسا کردار ہیں کہ ان کی پیروی کر کے قیامت تک اہل اسلام دوسروں کو امن و سلامتی دے سکتے ہیں۔

حوالہ جات

[۱]۔صحاح ستہ بشمول صحیح بخاری، [۲]۔سیر الصحابہ، [۳]۔رحماء بینھم چاروں حصے، [۴]۔فوائد نافعہ از مولانا نافع، [۵۔سیرت سیدنا علی، [۶]۔سیرت سیدنا معاویہ، [۷]۔خلفائے راشدین ندوہ، [۸]۔خلفائے راشدین ڈاکٹر خالد محمود، [۹]۔خلفائے راشدین از محمود احمد ظفر سیالکوٹی، [۱۰]۔عادلانہ دفاع، [۱۱]۔امام مظلوم از سید نور الحسن بخاری، [۱۲]۔نہج البلاغہ، [۱۳]۔الامامہ والسیاستہ، [۱۴]۔سیدنا امیر معاویہ از مولانا تقی عثمانی، [۱۵]۔سیکڑوں تحقیقی مقالات بہ سلسلہ سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

''اللّٰہ'' یا خدا

پروفیسر محمد حمزہ نعیم

''اللّٰہ'' کے بہت خوبصورت نام ہیں تم اس کو انہی خوبصورت ناموں کے ساتھ پکارا کرو'' (القرآن)

اور ارشادِ نبوی ''اللّٰہ پاک کے ننانوے (مقدس) نام ہیں جس کسی نے ان کو یاد کرلیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ وہی **اللّٰہ** ہے جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں اس حدیث پاک میں آگے اسمائے حسنیٰ کا ذکر شریف ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں یہ سب صفاتی نام ہیں اور اسم ذات تو بس ایک ''**اللّٰہ**'' ہے۔ **اِنّی اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ** . ''بے شک میں اللہ ہوں''۔

حضرت مفتی زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماع کراچی میں فرمایا خدا خدا مت کہا کرو۔ خدا، **اللّٰہ** کا کوئی نام نہیں ہے۔ (اسماء حسنیٰ میں خدا شامل نہیں) **اللّٰہ** پکارا کرو۔ (سالانہ اجتماع کراچی: ۱۹۸۴ء)۔

تو صاحبو! ایک وقت تھا کہ بے ادب و گستاخ قوم یہود کو رب العالمین کا اسم ذات اسم اعظم ''**اللّٰہ**'' بولنے سے منع کر دیا گیا تھا انھیں کہا گیا کہ تم صرف ''وہ'' کہہ کر پکار سکتے ہو چنانچہ ان کے ہاں ''**یَاھُوَ**'' رائج ہوگیا۔ آج بھی قوم یہود اپنے رب کو ''**یَاھُوَ**'' (yahoo) کہہ کر پکارتی ہے۔ اسم ذات اسم اعظم ''**اللّٰہ**'' ان سے چھین لیا گیا ان کو اس بابرکت نام کی برکتوں سے محروم کر دیا گیا۔

اللّٰہ نے انسانی اصلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام کا ایک سلسلہ جاری فرمایا، ہر نبی اپنے سے پہلے نبی کی تصدیق کرتا اور آنے والے کی بشارت سناتا۔ خصوصاً خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت وہ سناتے رہے۔ آخری نبی پر ایمان اور ان کی نصرت کا وعدہ ان سے لیا گیا تھا۔ آج بھی تقریباً ہر مذہب کی ہر الہامی کتاب میں نبی آخرالزماں کا ذکر خیر موجود ہے۔ انجیل برناباس میں جگہ جگہ اسم شریف محمد اور احمد لکھا ہے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ''احمد'' نام لے کر بشارت دی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے انبیاء بنی اسرائیل جب اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے تو وہ لوگ پوچھتے کیا آپ ''وہ نبی ہیں'' ''وہ صاحب'' ہیں تو جواب ملتا ''میں وہ نبی نہیں'' ''میں وہ صاحب نہیں'' ادب واحترام کی خاطر وہ حضرت محمد یا حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لیتے تھے یا یہ کہ انھیں یہ بابرکت وعظیم نام لینے سے روک دیا گیا تھا، ان کو محروم کر دیا گیا تھا، ''وہ صاحب'' اور ''وہ نبی'' کا ترجمہ فارسی میں آنحضور اور آنحضرت ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کیا آج مسلم قوم کو بھی **اللّٰہ** کا عظیم نام اور اس کے عظیم رسول کا عظیم نام محمد اور احمد صلی اللہ علیہ وسلم بولنے سے منع کر دیا گیا ہے اس

خیرامۃ کو بھی ان بابرکت ناموں کے بابرکت اثرات سے محروم کردیا گیا ہے۔

مگر نہیں، عاشق زار کو تو اپنے محبوب کا نام لینے میں مزہ آتا ہے۔

ہم رٹیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

اللہ کریم اپنی احسن تخلیق کی فطرت کو جانتا ہے لہٰذا حکم دیا۔ **وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ بُکرۃ واصیلا** اپنے رب کا نام لیتے رہو۔صبح وشام لیتے رہو، ہر ہنگام لیتے رہو لیکن معلوم نہیں کیوں مسلم عوام وخواص آج **اللہ** کا عظیم نام **اللہ** نہیں بولتے، رب نہیں بولتے رحمان ورحیم نہیں بولتے ان کی زبانوں پر لفظ خدا آ گیا ہے۔ہم لوگ رام نہیں بولتے کہ ہندو مشرک قوم کا معبود ہے۔ یورپی، امریکی نومسلم گاڈ نہیں بولتے کہ یہ ان کے مشرک ہم وطنوں کے معبود کا نام ہے۔تو پھر خدا بھی آتش پرست قوموں کے معبودوں میں سے ایک ہے کاش اہل اسلام اسم اعظم **اللہ** بولیں یا اس کے ننانوے صفاتی اسمائے حسنٰی کے ساتھ اس محبوب رب کا مبارک ذکر کیا کریں اَللّٰہ اَللّٰہ، **لَا اِلٰہ اِلَّا** اللّٰہ۔**اللّٰہ اللّٰہ اللّٰہ**

❁ ❁ ❁

شُکر

حبیب الرحمٰن بٹالوی

شکر عربی زبان کا لفظ ہے۔اس کے معنی ہیں کسی کا احسان تسلیم کر کے اعلان کرنا۔تھوڑے پر زیادہ عطا کرنا۔وہ فعل جو محسن کی تعظیم کا اظہار کر سکے۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے نعمت کے جواب میں شکر کرنے والے (الحامدون) کو جنت میں بلایا جائے گا جو وسعت و تنگی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔''

شیطان نے جو سراپا سرکشی ہے، کہا تھا ''تو میں ضرور آپ کی سیدھی راہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں پھر آپ ان میں سے اکثر کو شکر کرنے والا نہ پائیں گے'' اس سے معلوم ہوا ناشکری کرنا شیطان کو خوش کرنا ہے اس کا مقصد یہی ہے کہ بندے اللہ کا شکر ادا نہ کریں۔

علامہ ابن قیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں شکر کا مطلب ہے بندے کی زبان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اثر اعتراف بنا کی شکل میں۔دل پر حضور شہود اور محبت کی شکل میں اور جسم کے اعضا پر اطاعت وفرمانبرداری کی صورت میں ظاہر ہو۔

بعض بزرگ کہتے ہیں کہ شکر اس بات کا نام ہے کہ محسن کی نعمت کا اعتراف، عاجزی کی صورت میں کیا جائے۔
شکر ا کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ فرض کی ادائیگی کے بعد نفلی نیکیاں بھی کرے۔جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل کہ رات کو عبادت میں کھڑے کھڑے قدم مبارک میں ورم آ جاتا ہے۔ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں ''کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟''

کسے را کہ باشد دل حق شناس نشاید کہ بندد زبانِ سپاسی

(جس کا دل حق شناس ہوتا ہے، وہ شکر سے زبان کو روکنا مناسب نہیں سمجھتا)

اللہ پاک کہتے ہیں ''اور میرا احسان مانو، ناشکری نہ کرو'' (البقرہ)

ایک دوسری جگہ فرمایا: ''ہم نے انسان کو تاکید کی میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کر۔یعنی میرا اور اپنے والدین کا حق مان، آخر تجھے میرے پاس آنا ہے۔'' (لقمان)

ایک حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی اور جب یہ پڑھا پھر اس دن تم سے ساری نعمتوں کے بارے یں باز پرس ہوگی۔'' (التکاثر)

تو ارشاد فرمایا کہ تمہارے رب کے سامنے ٹھنڈے پانی کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔ مکان کے سائے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ پیٹ بھر کر کھانے کی بابت سوال ہوگا۔ جسمانی اعضاء کے صحیح سالم ہونے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جن نعمتوں کا سوال ہوگا وہ بدن کی صحت اور ٹھنڈا پانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے داؤد کے گھر والوں! شکر ادا کرو۔ (السباء)

ایک بزرگ فرماتے ہیں جب یہ حکم ہوا تو اس کے بعد ہر وقت حضرت داؤد علیہ السلام کے گھر والوں میں سے کوئی نہ کوئی فرد عبادت میں مصروف رہتا۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بھیجتا ہے کہ وہ بارش کی خوشخبری دیتی ہیں اور اس لیے کہ تمہیں اپنی رحمت سے (پھلوں اور غلوں کے) مزے چکھائے۔ نیز اس لیے کہ اس کے حکم سے بحری جہاز چلیں اور اس لیے کہ تم اس کا فضل (سمندری راستے سے تجارت کے منافع) حاصل کرو اور اس لیے بھی کہ تم شکر ادا کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کوئی آدمی ایسا نہیں کہ جس پر روزانہ کا صدقہ (شکر ادا کرنا) واجب ہو۔ [الروم۔۴۶]

عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارے پاس مال کہاں کہ ہم اس کا صدقہ کریں؟ ارشاد فرمایا: نیکی کی کئی صورتیں ہیں **سبحان اللہ، الحمدللہ، اللہ اکبر کھنا، لا الہ الااللہ** کہنا، نیکی کا حکم کرنا، برائی سے منع کرنا، راستے سے تکلیف دہ چیز ہٹا دینا، کمزور سماعت والے کو بات سنوا دینا، نابینا کو راہ دکھا دینا، ضرورت کی تکمیل کی صورت ڈھونڈنے والے کی رہنمائی کر دینا، ہاتھوں سے کمزور کا بوجھ اٹھوا دینا۔ یہ سب تمہاری طرف سے اپنی جان کا صدقہ (شکر ادا کرنا) ہے۔

حضرت ابودردا رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''صحت، آدمی کی دولت مندی ہے''

یونس بن عبید سے کسی آدمی نے اپنی تنگدستی کی شکایت کی تو فرمایا: ''کیا خیال ہے جن آنکھوں سے تم دیکھ رہے ہو ان کا ایک لاکھ دے دوں؟ اس نے کہا نہیں نہیں آپ نے اسی طرح اور نعمتوں کا ذکر کر کے فرمایا: میاں! تم لاکھوں کے مالک ہو پھر بھی شکایت کرتے ہو؟

وہب بن عتبہ رحمتہ اللہ فرماتے ہیں ''حضرت داؤد علیہ السلام کے خاندان کے ہاں یہ بات لکھی ہوئی تھی'' عافیت مخفی بادشاہت ہے۔

ایک بزرگ کہتے ہیں: خاموشی سے کام کرتی ہوئی تمہاری ہر رگ میں نہ معلوم کتنی نعمتیں مخفی ہیں۔

حضرت بکرغزنی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے ابن آدم! اللہ پاک کی نعمتوں کی قدر جاننا چاہتے ہو تو آنکھوں کے نہ ہونے کا تصور کر کے دیکھو اور ذرا آنکھیں بند کر کے کوئی کام کر دکھاؤ!

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں لوگ خسارہ اٹھا رہے ہیں۔ صحت اور فرصت

حضرت داؤد علیہ السلام فرمایا کرتے اے اللہ! اگر میرے جسم کے ایک ایک بال کی جگہ دو دو زبانیں ہوں اور وہ رات دن آپ کی تسبیح میں مشغول رہیں تو بھی آپ کی نعمت کا شکر ادا نہیں ہوسکتا۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں: جو آدمی صاف پانی پیئے اور وہ بغیر تکلیف کے اس کے اندر چلا جائے اور بغیر تکلیف کے خارج ہو جائے تو اس پر شکر واجب ہے۔

سفیان ثوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بندہ اپنی حاجت مندی کے دوران، اللہ پاک کی بارگاہ میں جتنا گڑ گڑاتا ہے اللہ پاک کی عطا اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

سلام بن مطیع رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں ایک مریض کے ہاں گیا تو وہ تکلیف کا اظہار کرنے لگا میں نے کہا ان لوگوں کو یاد کر جو راستے میں پڑے ہوئے ہیں۔ نہ ان کا کوئی ٹھکانہ ہے نہ کوئی پوچھنے والا۔ اس کے بعد میں پھر گیا تو وہ مطمئن تھا اور کہنے لگا میں راستوں میں پڑے ہوئے لوگوں کو یاد رکھتا ہوں۔ جن کا کوئی ٹھکانہ ہے اور نہ کوئی خدمت گار۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے جہنم دکھائی گئی تو وہاں اکثریت عورتوں کی تھی جو کہ ناشکری کرتی ہیں۔ عرض کیا گیا اللہ پاک کی ناشکری کرتی ہیں؟ فرمایا خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اگر تم عمر بھر عورت سے حسن سلوک کرو۔ پھر اگر کبھی اس نے تم سے کوئی ناگواری محسوس کی تو کہے گی میں نے تم سے کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں۔

ایک بزرگ کہتے ہیں: بندے کو چاہیے کہ حمد و استغفار میں مشغول رہے۔ کیونکہ بندہ، نعمت و گناہ کے درمیان ہے۔ نعمت کا معاملہ شکر سے درست ہوتا ہے اور گناہ سے چھٹکارا، استغفار و توبہ سے ملتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کی جیسی میں تعریف کرتا ہوں اور کون کرتا ہوگا۔ ایک دفعہ اپنی عبادت گاہ میں بیٹھے تھے تو فرشتہ آیا اور کہا: اے داؤد! مینڈک کی آواز آ رہی ہے؟ اسے غور سے سنو۔ آپ علیہ السلام مینڈک کی آواز کی طرف متوجہ ہوئے فرشتے نے کہا آپ سمجھے یہ کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کہہ رہا ہے: ''اے میرے پروردگار! آپ پاکیزہ ہیں آپ کی تعریف ہے وہاں تک جہاں تک آپ کے علم کی انتہا ہے''۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے نبی بنایا میں نے اس ذات کی ایسی تعریف کبھی نہیں کی''

(تلخیص کتاب ''الشکر'' علامہ ابن ابی الدنیاؒ)

احادیثِ نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام اور منکرین حدیث کے اعتراضات کا علمی جائزہ (قسط:۷)

حافظ عبیداللہ

امام زہریؒ کی مرسل روایات اور تمنا عمادی صاحب کا مغالطہ:

اقسامِ حدیث میں ایک قسم ''مُرسَل'' ذکر کی جاتی ہے، اس کی مشہور تعریف یہ ہے کہ کسی حدیث کی سند تابعی تک متصل ہو اور تابعی یہ کہے کہ ''قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا۔ یعنی تابعی اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان والا واسطہ (جو کہ عام طور پر صحابی ہوگا اور کبھی کوئی دوسرا تابعی اور اس کے ساتھ صحابی بھی ہوسکتا ہے) ذکر نہ کرے بلکہ خود ہی کہہ دے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا۔ یاد رکھیں! مُرسَل حدیث وہ ہے جس کی سند تابعی تک متصل ہو، اگر تابعی سے نیچے کہیں کوئی راوی ساقط ہو تو اُسے ''منقطع'' کہا جاتا ہے۔

امام حاکمؒ (متوفی 405ھ) لکھتے ہیں:

''فَاِنَّ مَشایخ الحدیث لم یختلفوا أن الحدیث المُرسَلَ هو الذی یُرویهِ المحدِّثُ بأسانِیدَ متصلة اِلی التابعیِّ ، فَیَقُول التّابِعِيُّ : قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم۔''

حدیث کے مشائخ کا اس بات میں اختلاف نہیں کہ مُرسَل حدیث وہ ہوتی ہے جسے حدیث بیان کرنے والا، تابعی تک متصل سندوں کے ساتھ روایت کرے اور پھر تابعی یوں کہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا۔ (یعنی تابعی اپنے اور رسول اللہ e کے درمیان کا واسطہ ذکر نہ کرے، وہ واسطہ عام طور پر صرف صحابی کا ہوتا ہے، یا کبھی تابعی اور صحابی دونوں کا ہوسکتا ہے۔ ناقل)۔

(معرفة علوم الحدیث، ص167، دارابن حزم۔ بیروت)

حافظ صلاح الدین العلائیؒ (متوفی 761ھ) لکھتے ہیں:

''وھذا ھو الذی یقتضیه کلام جمهور ائمة الحدیث فی تعلیلهم، لایطلقون المُرسل اِلا علی ما أرسله التابعی عن النبیe۔''

جمہور ائمہ حدیث کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ مُرسَل کا اطلاق صرف اس حدیث پر کرتے ہیں جس میں تابعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارسال کرے (یعنی تابعی بغیر کسی واسطے کے کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

فرمایا۔ ناقل)۔

(جامع التحصیل فی احکام المراسیل،ص29،عالم الکتب۔ بیروت)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ''مُرسَل'' روایت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" ما سَقَطَ مِن آخِرہ مَن بَعد التابعِی ھو المُرسَل ، وصُورتُہ اَن یقولَ التّابِعیُّ،سواء کانَ کبیراً أو صَغِیراً: قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا، اَو فَعَل کذا، اَو فُعِل بحضرَتِہ کذا، ونحو ذلک."

جس روایت کی سند کے آخر سے تابعی کے بعد والا واسطہ بیان نہ ہوا اُسے مُرسَل کہا جاتا ہے،اوراس کی صورت یہ ہے کہ کوئی تابعی، چاہے بڑا ہو یا چھوٹا، یوں کہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں عمل فرمایا، یا آپ کے سامنے یہ کام کیا گیا، یا اس جیسے الفاظ۔

(نزھۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر،ص100-101،الریاض)

ڈاکٹر محمود الطحّان نے بھی یہی حافظ ابن حجرؒ والی تعریف ہی بیان کی ہے۔

(تیسیر مصطلح الحدیث،ص56)

خلاصہ یہ کہ مُرسَل روایت وہ نہیں ہوتی جس میں تابعی کسی ایسے شخص سے ''حدّثنا'' کے لفظ کے ساتھ روایت بیان کرے جس سے اُس نے نہیں سُنی، بلکہ وہ بغیر واسطہ بیان کیے یہ کہتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا یا فلاں کام کیا وغیرہ،لیکن عمادی صاحب نے یہاں بھی صریح مغالطے دیے ہیں، وہ عنوان قائم کرتے ہیں ''زہری کی خوگری ارسال''،اور پھر لکھتے ہیں:

''ابن شہاب زہری ارسال کے بہت خوگر تھے یعنی درمیان سے اپنے اصل شیخ کا نام چھوڑ کر اپنے شیخ کے شیخ سے بلا واسطہ اس طرح روایت کرتے تھے کہ سننے والا یہ سمجھے کہ انہوں نے خود فلاں شخص سے سنا ہے، یہاں تک کہ جس کی وفات کے وقت یہ کمسن تھے اس سے بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں، بلکہ جس کی وفات کے برسوں بعد پیدا ہوئے اس سے بھی حدثنا فلان کہہ کہ حدیث بیان کردیتے تھے۔ حقیقت میں تو یہ سینکڑوں سے مرسل ہی روایت کرتے ہیں،اس لیے میں لکھ چکا ہوں کہ جو لوگ سنہ 101ھ سے پہلے یعنی آغاز جمع حدیث کے قبل وفات پاچکے اُن سے ان کی پچانوے فیصدی روایتیں مرسل ہی ہیں۔''

(امام زہری وامام طبری،ص130)

اس سے پہلے اسی کتاب میں یہ نایاب تحقیق پیش کر چکے تھے کہ:

''پہلی صدی کے بعد یعنی سنہ 101ھ میں یا اس کے بھی کچھ بعد انہوں نے جمع وتدوین احادیث کا کام شروع کیا،اس لیے جو لوگ سنہ 101ھ سے پہلے وفات پاچکے ان سے احادیث لینے کا ان کو موقع نہیں ملا......(الی قولہ)......مگر

ان کی حدیثیں نصف سے زیادہ ایسے ہی بزرگوں سے ہیں جو سنہ 101ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے اس لئے یقیناً ایسی حدیثوں میں سے فی ہزار نو سو ننانوے حدیثیں یقیناً مرسل ہیں، یعنی ان حدیثوں کو زہری نے کسی واسطے سے سنا اور وہ واسطہ حذف کر کے ان حدیثوں کو ان بزرگوں کی طرف حدثنا فلان کہہ کر منسوب کر دیا۔''

(امام زہری وامام طبری،ص130)

نیز لکھا:

''غرض جبکہ سنہ 101ھ سے پہلے نہ تحصیل احادیث کا دستور تھا نہ منافقین عجم کے سوا عام طور سے روایتِ احادیث کسی کا مشغلہ تھا تو اگر ابن شہاب نے سنہ 101ھ سے پہلے حدیثیں لوگوں سے سنیں تو ان میں زیادہ تر وہی حدیثیں ہوں گی جن کو انہوں نے منافقین عجم ہی سے سنا ہوگا چاہے وہ ان کا نام لیں یا نہ لیں۔''

(امام زہری وامام طبری،ص110-111)

یہ سب کچھ لکھنے کے بعد عمادی صاحب نے یوں قلابازی بھی کھائی کہ:

''واضح رہے کہ ابن شہاب زہری کی دیانت پر حملہ نہیں کر رہا ممکن ہے انہوں نے نیک نیتی سے حدیثیں جمع کرنا شروع کیں مگر آغاز کے وقت ایسے کاموں میں بے احتیاطی ضرور ہوا کرتی ہے، حدیثوں کے لکھنے کی ممانعت کا غلغلہ اس زمانے میں عام تھا اس لئے انہوں نے جس سے جو حدیث سنی یاد کر لی، لکھا بھی تو یاد کرنے کے لئے لکھا اور پھر مسودے کو ضائع کر دیا، راویوں کی جرح وتعدیل کا اس وقت نام ونشان بھی نہ تھا اور نہ چنداں اس کی ضرورت سمجھی جاتی تھی اس لئے کہ تابعین ہی سے حدیثیں سنتے تھے، پہلے ہی راوی کے بعد صحابی کا نام آتا تھا...... (الی قولہ)......ابن شہاب منافقین عجم کی ریشہ دوانیوں سے واقف نہ تھے (جبکہ عمادی صاحب تو ان منافقین عجم کے بہت قریب تھے اس لئے ان سے اچھی طرح واقف تھے؟۔ ناقل) اس لئے ان کو تابعین کی جماعت سمجھ کر ان کی من گھڑت حدیثیں اطمینان سے لیتے رہے اور نادانستہ ان کے کذب وافتراء میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہے اور ان کا مقصد پورا کرتے رہے۔''

(امام زہری وامام طبری،ص141)

قارئین محترم! یہ ہیں منکرین حدیث کے ''محدث العصر''، پہلے یہ غلط بیانی کی کہ امام زہریؒ ایسے لوگوں سے جن سے انہوں نے حدیث نہیں سُنی ''حدثنا فلان ''(مجھ سے فلاں نے بیان کیا) کے لفظ کے ساتھ حدیث بیان کر دیتے تھے ،یعنی دوسرے لفظوں میں کذب بیانی کرتے تھے، نیز تابعین کے لئے ''منافقین عجم'' کے دل آزار الفاظ استعمال کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی لکھتے ہیں کہ ''میں ابن شہاب زہری کی دیانت پر حملہ نہیں کر رہا''۔

ان صاحب کو اصولِ حدیث کی عام سی بات کا علم نہیں کہ مرسل روایت میں تابعی بلا واسطہ رسول اللہ e کا قول یا فعل بیان کرتا ہے، وہاں ''حدثنا فلان '' کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ورنہ وہ روایت تو متصل ہوگئی مرسل کہاں رہی؟

اور اگر تابعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بیان کرتے ہوئے ''**سمعتُ رسولَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم**'' (میں نے اللہ کے رسول سے سنا) کہے تو وہ صریح جھوٹ ہوگا، لیکن عمادی صاحب بڑے دھڑلے کے ساتھ بار بار لکھتے ہیں کہ ''امام زہری نے جس واسطے سے حدیثوں کو سنا وہ واسطہ حذف کر کے کسی دوسرے بزرگ کی طرف **حدثنا فلان** کہہ کر منسوب کردیا، بلکہ جس کی وفات کے برسوں بعد پیدا ہوئے اس سے بھی **حدثنا فلان** کہہ کر حدیث بیان کردیتے تھے'' ہم تو صرف اتنا ہی کہیں گے کہ **لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین**۔

قارئین محترم! عمادی صاحب نے انکارِ حدیث کے جوش میں بے سروپا باتیں لکھ ڈالیں، کبھی کہتے ہیں کہ چونکہ احادیث کی جمع وتدوین کا کام سنہ 101 ھ کے بعد شروع ہوا، لہٰذا جو لوگ سنہ 101 ھ سے پہلے وفات پا چکے ان سے امام زہریؒ کو احادیث لینے کا موقع نہ مل سکا، اس طرح 101 ھ سے پہلے وفات پانے والے لوگوں سے امام زہریؒ نے جو حدیثیں بیان کی ہیں ان میں سے فی ہزار 999 حدیثیں یقیناً مرسل ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ منکرینِ حدیث کے ''محدث العصر'' کی اس عظیم تحقیق پر کیا تبصرہ کروں؟ کیا عمادی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جوں ہی احادیث کی جمع وتدوین کا کام شروع ہوا تمام صحابہ وتابعین عظام کا حافظہ بھی صاف ہوکر ''صفر'' پر آ گیا تھا اور سنہ 101 ھ سے پہلے انہوں نے جو بھی علم حاصل کیا تھا، یا جو کچھ حفظ کیا تھا وہ ایسے صاف ہوگیا تھا جیسے کمپیوٹر کو صاف (Format) کیا جاتا ہے؟؟ کیا احادیث کی جمع وتدوین کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ کام شروع ہوا اس وقت صحابہ وتابعین کو تلاش کر کے ان سے نئے سرے سے احادیث سن کر لکھی گئیں، اور جو صحابہ کرام یا تابعین عظام 101 ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے ان سے مروی تمام احادیث متصل نہیں بلکہ ''مرسل'' ہیں؟؟ اس عقل پر رونے کے علاوہ اور کیا کِیا جاسکتا ہے؟۔

امام زہریؒ کی عمر سنہ 101 ھ میں چالیس سال سے اوپر تھی، کیا ان چالیس سالوں میں انہوں نے کسی صحابی یا تابعی سے کوئی حدیث نہ سنی؟ یہ مفروضہ کہاں سے گھڑا گیا کہ 101 ھ سے پہلے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان نہ کی جاتی تھیں؟ اور عمادی صاحب نے خود یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ امام زہری نے یاد کرنے کے لئے حدیثوں کا مسودہ لکھا اور پھر ضائع کردیا، یعنی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ یاد کرنے کے لئے وہ حدیثیں لکھا کرتے تھے، اور اگر یہ دعویٰ درست ہے تو امام زہریؒ کا یاد کرنے کے لئے حدیثیں لکھنا یقیناً زمانہ طالب علمی میں ہوگا جو کہ سنہ 101 ھ سے پہلے کا زمانہ ہے، پھر بار بار ''منافقین عجم'' کی گردان پڑھ کر کیا باور کروانے کی کوشش کی جارہی ہے؟ کیا عرب میں منافقین نہ تھے؟ کیا عرب میں وضّاعین حدیث نہیں ہوئے؟ کیا خود عمادی صاحب عجم میں سے نہیں؟ عمادی صاحب تابعین عظام میں سے دو تین ایسے لوگوں کے نام ہی لے لیتے جو ''منافقین عجم'' میں سے تھے لیکن امام زہریؒ اور ائمہ حدیث انہیں غلطی سے تابعی سمجھتے رہے۔ اور نہیں تو کتب رجال میں امام زہریؒ کے جن بے شمار شیوخ کے نام لکھے ہیں ان میں سے چند کی نشاندہی کردیتے

کہ فلاں فلاں دراصل ’’منافقین عجم‘‘ میں سے تھے لیکن امام زہریؒ غلط فہمی میں انہیں تابعی سمجھ کر ان سے حدیثیں لیتے رہے تاکہ ہم بھی عمادی صاحب کی تحقیق کی داد دیتے کہ انہوں نے اس حقیقت کا پتہ چلایا ہے جس کا علم امام زہریؒ کے جلیل القدر تلامذہ جیسے ایوب سختیانیؒ، سفیان بن عیینہؒ، صالح بن کیسانؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، عبداللہ بن دینارؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، عمرو بن دینارؒ، لیث بن سعدؒ، مالک بن انسؒ وغیرہم کو نہ ہوسکا۔

خود امام زہریؒ نے اپنی کتابت حدیث کی جو وجہ لکھی ہے اگر اس پر غور کرلیا جائے تو تمنا عمادی صاحب کا یہ مفروضہ ہوا میں تحلیل ہوجاتا ہے کہ وہ غلط فہمی میں منافقین عجم سے لیتے رہے، امام زہریؒ نے فرمایا:

’’**لو لا تأتینا أحادیث من قبل المشرق ننکرھا لا نعرفھا ما کتبتُ حدیثاً ولاأذِنتُ فی کِتابه**۔‘‘ اگر ہمارے پاس مشرق کی طرف سے ایسی حدیثیں نہ آتیں جو ہمارے لئے اوپری تھیں اور جن حدیثوں کو ہم نہیں جانتے تھے تو میں ایک حدیث بھی نہ لکھتا اور نہ اس کے لکھنے کی اجازت دیتا۔

(تقیید العلم للخطیب البغدادي، ص138-139)

لیجیے! امام زہریؒ تو احادیث لکھنے کا سبب ہی موضوع اور من گھڑت حدیثوں کا سدِ باب کرنا بتا رہے ہیں تو پھر یہ مفروضہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ وہ بلاتحقیق غلط فہمی سے منافقین عجم کی بنائی ہوئی جھوٹی حدیثیں جمع کرتے رہے؟۔

افسوس عمادی صاحب تو اس سے بھی آگے نکل گئے اور یہاں تک لکھ دیا کہ:

’’اصل بات یہ ہے کہ نزولِ مسیح سے متعلق حدیثیں عیسائی غلاموں نے جو نومسلم تھے گھڑیں، ان کی جماعت میں وہ منظم سازش نہ تھی جو ایرانی ملاحدہ کی جماعت میں تھی، اس لئے یہ حدیثیں بغیر باہمی مشورے کے انفرادی طور پر گھڑی گئیں۔‘‘

(انتظارِ مہدی و مسیح، ص253)

کاش عمادی صاحب اپنے اس ذریعہ کے بارے میں ہمیں بتاجاتے جس نے انہیں یہ سب باتیں بتائیں، یقیناً وہ ذریعہ وحی یا الہام کا ہی ہوگا، کیونکہ یہ ’’انکشافات‘‘ ہمیں ان لوگوں کی کتابوں میں نہیں ملتے جنہوں نے اپنی زندگیاں علم حدیث کی خدمت میں گزار دیں، یا کم از کم اُن نومسلم عیسائی غلاموں میں سے دو تین کے نام ہی بتا جاتے جنہوں نے نزول مسیحؑ کی جھوٹی حدیثیں بنائیں، تاکہ جس حدیث کی سند میں وہ ’’نومسلم عیسائی غلام‘‘ ہوتے ہم اسے قبول نہ کرتے۔ لیکن عمادی صاحب کا حال یہ ہے کہ:

؎ حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں یہ ضد ہے جناب شیخ تقدس مآب میں

اب آیئے حقیقت ہم بتاتے ہیں، امام زہریؒ کی مرسل احادیث کی محدثین نے نشاندہی کی ہے مثلاً کتب ستہ وملحقات میں (جنہیں صحاح ستہ بھی کہا جاتا ہے) امام زہریؒ کی روایات کی مجموعی تعداد 1400 کے لگ بھگ بتائی گئی ہے،

اوران میں مراسیل کی تعداد صرف 90 کے قریب ہے، حافظ جمال الدین یوسف المزی (متوفی 742ھ) نے اپنی کتاب ''تحفة الاشراف بمعرفة الأطراف'' میں یہ روایات گنوائی ہیں۔ (دیکھیں: تحفة الاشراف، ج 13 مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت کے صفحات 367 تا 384)۔ لہٰذا عمادی صاحب کا ''فی ہزار نوسو ننانوے'' روایات کو مرسل کہنا اور انہیں ''ارسال کا خوگر'' بتانا غلط بیانی اور مغالطہ نہیں تو اور کیا ہے؟۔ پھر یہ بھی نہیں کہ امام زہریؒ کی مرسل اور مسند روایات آپس میں خلط ملط ہوگئی ہیں اور مرسل روایات کی پہچان ممکن نہیں، بلکہ علماء حدیث نے ایک ایک مرسل روایت کی نشاندہی بھی کردی ہے۔

رہی یہ بات کہ حدیث مرسل حجت ہے یا نہیں؟ تو اس میں علماء وفقہاء کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک حجت ہیں اور بعض کے نزدیک نہیں جس کے بیان کا یہ موقع نہیں، امام ابوداود سجستانیؒ نے اہل مکہ کو اپنی ''سنن ابی داود'' کے بارے میں ایک خط لکھا تھا، اس کا ایک اقتباس پیش کر کے آگے چلتے ہیں، آپ نے لکھا کہ:

''وأما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثوري، ومالك بن أنس، والأوزاعي حتى جاء الشافعي فتكلم فيها وتابعه على ذلك احمد بن حنبل وغيره رضوان الله عليهم اجمعين'' مراسیل سے پہلے گزرے علماء حُجت پکڑتے تھے جیسے سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ اور امام اوزاعیؒ، یہاں تک کہ امام شافعیؒ آئے اور انہوں نے اس میں کلام کیا اور امام احمد بن حنبلؒ نے اس بارے میں ان کی اتباع کی۔

(رسالة ابي داود الى أهل مكة فى وصف سُنَنِه، ص 25، المکتب الاسلامی۔ بیروت)

تاہم یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہم نے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے ضمن میں امام زہریؒ کی جتنی بھی روایات نقل کی ہیں وہ سب مرفوع متصل ہیں، ان میں سے کوئی بھی مرسل نہیں۔

<u>فائدہ</u>: کبار تابعین کا ارسال ائمہ حدیث کے نزدیک کوئی معیوب چیز نہیں لیکن صغار تابعین کے ارسال کے بارے میں علماء کی مختلف آراء ہیں، چنانچہ چند علماء حدیث نے امام زہریؒ کے ارسال پر بھی تنقید کی ہے، مثلاً یحیٰ بن سعید القطانؒ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ''زہری کی مُرسَل روایت دوسرے لوگوں کی مرسَل سے بُری ہے کیونکہ زہری تو حافظ ہیں اور جس سے روایت سنی ہے اس کا نام لے سکتے ہیں، لہٰذا اگر انہوں نے نام نہیں لیا تو اس کا مطلب ہے وہ نام لینا نہیں چاہتے تھے''۔ اسی طرح امام شافعیؒ سے نقل کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''زہری کا ارسال کچھ بھی نہیں''۔ لیکن دوسری طرف وہ علماء حدیث بھی ہیں جنہوں نے امام زہریؒ کا دفاع کیا ہے چنانچہ جب امام احمد بن صالحؒ کے سامنے یحیٰ بن سعیدؒ کی امام زہریؒ کی مرسلات کے بارے میں بات کا ذکر کیا گیا تو آپ نے غصہ کا اظہار فرمایا اور کہا: ''ما لِيحيىٰ ومعرفة علم الزهري، ليس كما قال يحيىٰ۔'' یحیٰ کو زہری کے علم کا کیا پتہ؟ بات ایسی نہیں ہے جیسے یحیٰ نے کہی۔

(المعرفة والتاريخ ليعقوب بن سفيان، ج1 ص686)

اور حیرت کی بات یہ ہے کہ امام یحییٰ بن سعید القطانؒ کی امام زہریؒ کی مرسل روایت کو سب سے بُری بتانے والی بات تو نقل کی جاتی ہے لیکن انہی یحییٰ بن سعید کی وہ بات نقل نہیں کی جاتی جو حافظ ابن عبدالبرّ قرطبیؒ (متوفی 465ھ) نے نقل کی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''**قال عبید اللّٰہ بن سعید ابو قدامۃ: سمعتُ یحییٰ بن سعید القطّان یقول: ما أحد أعلم بحدیث المدنیین من الزھري، وبعد الزھري یحییٰ بن ابي کثیر، ولیس مُرسل أصح من مُرسل الزھري، لأنہ حافظ**'' عبیداللہ بن سعید ابوقدامہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید القطان کو یہ فرماتے سنا کہ: اہل مدینہ کی حدیث کا زہری سے زیادہ علم رکھنے والا اور کوئی نہیں، پھر زہری کے بعد یحییٰ بن ابی کثیر آتے ہیں، اور زہری کی مرسل سے زیادہ صحیح مرسل اور کوئی نہیں کیونکہ وہ حافظ ہیں۔

(التمھید لما في المؤطا من المعاني والأسانید، ج6ص112۔وزارت اوقاف، مراکش)

یہاں یحییٰ بن سعید نے امام زہری کی مرسل کو سب سے زیادہ صحیح فرمایا۔ اب ان کے دو اقوال باہم متعارض ہو گئے، پہلے قول میں امام زہری کی مراسیل کو سب سے بُری اور دوسرے قول میں صحیح ترین کہا گیا ہے، ان دونوں اقوال میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ جن مراسیل کو بُرا کہا گیا ہے اس سے وہ مراد ہوں جو صحیح متصل روایات کے معارض ہوں، اور ایسی مرسل چند ایک ہی ہوں گی، جبکہ دوسرے قول کو ان مراسیل پر محمول کیا جائے جو لائق احتجاج ہیں۔

پھر تابعین کے زمانے میں احادیث کی کوئی اتنی لمبی چوڑی سند تو ہوتی نہیں تھی بلکہ عام عام طور پر حدیث بیان کرنے والے تابعی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک صحابی اور بعض حالات میں ایک بڑے تابعی اور صحابی کا واسطہ ہوتا تھا اس لئے اُس وقت اُس واسطے کو ذکر کرنے کا عام طور پر رواج بھی نہ تھا اور نہ اس کی ضرورت سمجھی جاتی تھی کیونکہ صحابہ کرام اور کبار تابعین موجود تھے اور کسی جھوٹی حدیث کا چھپا رہنا ممکن نہ تھا، اور یہ بھی صرف ایک تمنائی ڈھکوسلہ ہے کہ تابعین کے اندر ''منافقین عجم'' داخل ہو گئے تھے جنہوں نے جھوٹی حدیثیں بنائیں اور امام زہریؒ اور اُن جیسے دوسرے تابعین غلط فہمی میں اُنہیں ثقہ اور قابل اعتبار سمجھ کر اُن سے حدیثیں نقل کرتے رہے۔ کتب جرح وتعدیل میں ہمیں تابعین میں کسی ''عجمی منافق'' کا ذکر نہیں ملتا۔

نیز یہ بات بھی تحقیقی طور پر درست نہیں کہ سنہ 101ھ سے پہلے لکھی ہوئی حدیثیں موجود نہ تھیں یا لکھی نہ جاتی تھیں، حافظ ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی (متوفی 463ھ) نے اپنی کتاب ''**تقیید العلم**'' کی قسم ثالث میں دلائل وبراہین کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں احادیث لکھی جاتی تھیں اور مختلف صحابہؓ وتابعینؒ کے مرتب کردہ صحیفوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ تدوین حدیث ایک الگ موضوع ہے جس پر تفصیلی بات کا یہ موقع نہیں ہے۔

امام زہریؒ پر تدلیس کا الزام اور اس کی حقیقت:

علم اصول حدیث میں ایک اصطلاح ہے جسے ''تدلیس'' کہاجاتا ہے، اس کا لغوی معنیٰ پوشیدگی اور پردہ پوشی ہے اور مختصر الفاظ میں تدلیس کسی سند کے عیب کو چھپا کر بظاہر سنوار کر پیش کرنے کو کہتے ہیں، اصطلاح میں تدلیس کی بڑی دو قسمیں ہیں: (1) تدلیس الاِسناد۔(2) تدلیس الشیوخ۔

تدلیس الاسناد کی مشہور اور صحیح تعریف یہ ہے کہ کوئی راوی اپنے کسی ایسے شیخ یا استاد سے جس سے اُس نے کچھ حدیثیں سُنی ہیں اور اُس سے اُس کا سماع ثابت ہے، کوئی ایسی حدیث روایت کرے جو اُس استاد سے نہیں سُنی، اور بیان کرتے وقت یہ صراحت نہ کرے کہ میں نے یہ حدیث اُس استاد سے سُنی ہے بلکہ ایسے الفاظ کہے جو سماع اور عدمِ سماع دونوں کا احتمال رکھتے ہوں (یعنی ''حدّثنا فلانٌ'' یا ''سمعتُ'' کے الفاظ نہ کہے بلکہ مثال کے طور پر یوں کہے ''عن فلانٍ'' یا ''قال فلانٌ'')۔ پھر اس تدلیس اِسناد کی ایک قسم ہے جسے ''تدلیس التسویة'' کہاجاتا ہے، اس میں یہ ہوتا ہے کہ کسی راوی نے ایک ثقہ استاد سے کوئی حدیث سُنی لیکن اُس استاد نے جس سے وہ حدیث سُنی وہ ضعیف تھا، اور اُس ضعیف راوی نے آگے جس سے روایت کی وہ بھی ثقہ تھا اور پہلے ثقہ اور اِس ثقہ کی ملاقات بھی ثابت تھی (لیکن اِس روایت میں دونوں کے درمیان ضعیف راوی کا واسطہ تھا) تو روایت بیان کرنے والا یہ کرتا ہے کہ اپنے ثقہ استاد اور دوسرے ثقہ کے درمیان سے ضعیف راوی کو نکال دیتا ہے اور ایسے الفاظ سے حدیث بیان کرتا ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ جیسے ایک ثقہ نے دوسرے ثقہ سے بلا واسطہ یہ حدیث سُنی ہے۔

تدلیس الاسناد کی ذیلی قسموں میں: **تدلیس التسویة، تدلیس السکوت، تدلیس القطع، تدلیس العطف** اور **تدلیس الصیغة** ہیں۔

تدلیس الشیوخ کی تعریف یہ ہے کہ راوی نے جس شیخ سے وہ حدیث سُنی ہے اُس کو ایسے نام یا کنیت یا علاقے کی نسبت کے ساتھ ذکر کرے جو مشہور ومعروف نہیں تا کہ اُس کا ضعیف ہونا چھپا رہے۔

تدلیس کرنے والے راوی کی روایت کا حکم:

بعض علماء کے نزدیک اگر کسی کے بارے میں ثابت ہوجائے کہ وہ ''مدلّس'' ہے تو اُس کی روایت مطلقاً قابل قبول نہیں، چاہے وہ سماع کی تصریح بھی کرے، لیکن یہ قول اکثریت کے نزدیک معتمد نہیں۔

کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ''مُدَلِّس'' کی صرف وہ روایت قابل قبول ہے جس میں وہ سماع کی تصریح کرے (یعنی ''سمعتُ فلاناً'' یا ''حدَّثُنی فُلانٌ'' جیسے الفاظ کہے) بشرطیکہ وہ خود ثقہ ہو، اور اُس کی وہ روایت جس میں سماع کی تصریح نہ ہو قبول نہیں کی جائے گی

(ملخصاً: تیسیر مصطلح الحدیث لمحمود الطحان، ص، 61-62)

لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ تدلیس کی تمام صورتوں کا حکم یکساں نہیں ہے، بلکہ ثقہ اور ضعیف راویوں سے تدلیس کرنے کا حکم مختلف ہے۔ مدلس راوی کسی ایسے شخص سے **عنعنہ** کرے (یعنی عن کے ساتھ روایت کرے) جس کے ساتھ اس کی رفاقت معروف ہو تو اس کے **عنعنہ** کو سماع پر محمول کیا جائے گا۔ چنانچہ امام یحییٰ بن معینؒ سے یعقوب بن شیبہؒ نے سوال کیا: مدلس راوی اپنی ہر روایت میں قابل اعتماد ہوتا ہے یا صرف اس وقت جب وہ **حدّثنا** یا **أخبرنا** کہے؟ (یعنی اپنے سماع کی صراحت کرے)، تو امام ابن معینؒ نے جواب دیا: ''**لا یکون حجة فیما دلّس** ''، جس روایت میں وہ تدلیس کرے گا صرف اس میں قابل اعتماد نہ ہوگا (**التمھید لابن عبدالبر، ج1 ص18 / الکفایة في علم الروایة للخطیب البغدادي، ص362**)، امام یحییٰ بن معینؒ نے یہ نہیں فرمایا کہ ''**عنعنہ** والی ہر روایت قابل قبول نہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ جس روایت میں ثابت ہو جائے کہ تدلیس ہوئی ہے وہ قابل قبول نہیں۔ اس کی مزید تفصیل اُن کتب میں مل جائے گی جن میں مدلسین کو طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ تدلیس بسا اوقات جان بوجھ کر نہیں کی جاتی جیسے بعض کبار تابعین اپنی تقاریر یا دروس وغیرہ میں احادیث بیان کرتے اور اختصار کے پیش نظر سند سے ایک یا دو راوی جو عموماً ثقہ ہوتے گرا دیتے تھے جس سے شبہ ہوتا کہ اس راوی نے تدلیس کی ہے حالانکہ وہ مجلس حدیث میں اُس حدیث کی مکمل سند بیان کرتے تھے۔

یہ تو ہوگئی تدلیس کی تعریف اور تدلیس کرنے والے کی روایت کا حکم، آیئے اب دیکھتے ہیں کیا امام زہریؒ تدلیس کے ان اصطلاحی معنوں میں مدلّس تھے؟

کتب تراجم و اسماء الرجال میں امام زہریؒ کے تعارف و ترجمہ میں متقدمین ائمہ میں سے کسی سے زہریؒ کے بارے میں ''تدلیس'' کا الزام نہیں ملتا، بلکہ اس کے برعکس تمام ائمہ کا امام زہریؒ کی جلالت شان اور ان کی ''**عنعنہ**'' والی روایت قبول کرنے پر اتفاق نظر آتا ہے، ہاں متأخرین میں سے حافظ ابن حجرؒ (متوفی 852ھ) نے ''**طبقات المدلّسین**'' میں امام زہریؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''**الفقیه المدني نزیل الشام، مشهور بالإمامة والجلالة من التابعین وصفه الشافعي والدار قطني وغیر واحد بالتدلیس**۔'' وہ مدنی الاصل فقیہ ہیں جو (بعد میں) شام جا کر بس گئے، وہ (ابن شہاب زہری) تابعین میں سے ہیں اور اپنی امامت اور جلالت شان کی وجہ سے مشہور ہیں، امام شافعیؒ اور امام دارقطنیؒ اور کچھ اوروں نے انہیں تدلیس کے وصف کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

(طبقات المدلسین، ص15)

اور حافظ ابن حجرؒ سے پہلے حافظ صلاح الدین العلائیؒ (متوفی 761ھ) نے یہ لکھا تھا کہ ''**محمد بن شهاب الزهری الإمام العَلَم مشهور به وقد قبِل الأئمة قوله عَن**۔'' محمد بن شہاب زہری معروف امام ہیں،

ان کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ تدلیس کرتے ہیں لیکن ائمہ نے ان کاعنعنہ (یعنی وہ روایت جس میں وہ ''عَن'' کے ساتھ روایت کریں) قبول کیا ہے۔

(جامع التحصیل فی احکام المراسیل ،ص109، عالم الکتب۔ بیروت)

اور پھر علائیؒ نے امام زہریؒ کو مدلّسین کے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے جس کی وضاحت انہوں نے یوں فرمائی ہے ''من احتمل الائمة تدليسه وخرّجوا له في الصحيح وإن لم يصرح بالسماع وذلك إمّا لإمامته أو لقلة تدليسه في جنب ما روىٰ أو لأنه لا يدلّس إلا عن ثقة وذلك كالزهري وسليمان الأعمش وابراهيم النخعي...... الخ ۔'' (دوسرا طبقہ وہ ہے) جن کے بارے میں ائمہ نے تدلیس کا احتمال ظاہر کیا ہے اور صحیح (بخاری ومسلم) میں ان کی وہ روایات بھی لائے ہیں جن میں سماع کی تصریح نہیں، (صحیحین میں ان کی ایسی روایات لانے کی وجہ) یا تو یہ ہے کہ یہ لوگ امام ہیں، یا انہوں نے جو کچھ روایت کیا ہے اس میں تدلیس بہت کم ہے، اور یا یہ وجہ ہے کہ وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں۔

(جامع التحصیل فی احکام المراسیل ،ص113، عالم الکتب۔ بیروت)

امام برہان الدین ابراہیم بن محمد حلبیؒ (متوفی 841ھ) جو سبط ابن العجمی کے نام سے مشہور ہیں نے امام زہریؒ کے بارے میں یوں لکھا ''الامام العالِم المشهور ، مشهور به وقد قبِل الائمة قوله عن ۔'' مشہور امام اور عالم ہیں، وہ بھی تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں، لیکن ائمہ نے ان کاعنعنہ قبول کیا ہے۔

(التبیین باسماء المدلّسین ،ص50، دارالکتب العلمیۃ ۔ بیروت)

جہاں تک امام شافعیؒ وامام دارقطنیؒ کی امام زہریؒ کے بارے میں تدلیس کی بات ہے، تو امام شافعیؒ کی یہ بات ہمیں ان کی اپنی کتابوں میں نہیں ملی، بلکہ اس کے برعکس وہ خود اپنی کتابوں میں امام زہریؒ کی روایات پیش کرتے ہیں اور انہوں نے کہیں بھی انہیں ''مدلس'' بتا کر ان کی روایت ردّ نہیں کی، اور اگر بالفرض انہوں نے ایسا کہا بھی ہوتا اور تدلیس سے مراد متاخرین کے نزدیک اصطلاحی تدلیس بھی ہوتو امام شافعی کی یہ بات اپنے سے پہلے ائمہ حدیث کے اجماع واتفاق کے خلاف ہوتی، نیز امام دارقطنیؒ نے بخاری ومسلم کی احادیث پر اعتراضات کیے ہیں لیکن انہوں نے امام زہریؒ کی معنعن روایت پر اس وجہ سے اعتراض نہیں کیا کہ چونکہ امام زہریؒ مدلس ہیں لہٰذا ان کی ''عــن'' سے بیان کردہ روایت ناقابل قبول ہے۔ الغرض اگر امام شافعیؒ وامام دارقطنیؒ سے امام زہریؒ کی طرف تدلیس کی نسبت کرنا ثابت بھی ہو جائے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کی مراد ارسال خفی تھی نہ کہ وہ تدلیس جس کا متاخرین کے نزدیک خاص مفہوم ہے ورنہ وہ امام زہریؒ کی ہر وہ روایت ردّ کرتے اور اس پر اعتراض کرتے جو معنعن ہے، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے حافظ ابوالحسن علی بن الجعد

الجوہریؒ (متوفی 230ھ) نے امام شعبہؒ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ''مارأیتُ احداً من أصحاب الحدیثِ اِلّا یُدلِّسُ اِلّا ابن عون وعمرو بن مرۃ ۔'' میں نے ابن عون اور عمرو بن مرۃ کے علاوہ تمام حدیث بیان کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ وہ تدلیس کرتے ہیں۔ (مسند ابن الجعد ،ج1 ص277، روایت نمبر52، مکتبۃ الفلاح ۔الکویت) یہاں متأخرین کے ہاں تدلیس کا خاص مفہوم مراد نہیں بلکہ صرف ارسال کو تدلیس کہہ دیا گیا ہے، پھر یہ بات بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ ائمہ حدیث نے امام زہریؒ کی ''معنعن'' روایت کو قبول کرنے میں کبھی تردد نہیں کیا جیسا کہ امام علائی اور سبط ابن العجمی نے صاف طور پر لکھا ہے کہ ائمہ حدیث (خاص طور پر امام بخاریؒ و امام مسلمؒ) نے زہریؒ کا ''عنعنہ'' قبول کیا ہے، نیز ائمہ نے ان تمام لوگوں کو شمار بھی کر لیا ہے جن سے زہریؒ کا سماع ثابت ہے اور جن سے نہیں، پھر امام زہریؒ اہل حجاز میں سے ہیں اور اہل حجاز و حرمین میں تدلیس نہیں پائی جاتی تھی یا بہت ہی کم تھی۔ خود امام شافعیؒ نے فرمایا:

''ولا نعرف بالتدلیس ببلدنا ، فیمن مضی ولا من أدرکنا من أصحابنا ......'' ہم اپنے علاقے (یعنی حجاز) میں کسی کو نہیں جانتے جس نے تدلیس کی ہو، نہ اُن لوگوں میں جو پہلے گزر چکے، نہ ہمارے ان اصحاب میں جن کا زمانہ ہم نے پایا ہے۔

(کتاب الرسالۃ، ص378 تحقیق احمد محمد شاکر، مصر)

امام ابوعبداللہ الحاکمؒ (م405ھ) لکھتے ہیں:

''ان اھل الحجاز والحرمین ومصر والعوالي لیس التدلیس من مذھبھم......'' اہل حجاز، اہل حرمین اور اہل مصر کا مذہب تدلیس نہیں ہے۔

(معرفۃ علوم الحدیث، ص356، دار ابن حزم ۔ بیروت)

خطیب بغدادیؒ (متوفی 453ھ) لکھتے ہیں:

''أصح طُرُقِ السندِ ما یُرویہ أھل الحرمینِ، مکۃ والمدینۃ، فإن التدلیس فیھم قلیل والاشتھار بالکذب ووضع الحدیث عندھم عزیز'' سند کا صحیح ترین طریق وہ ہے جس کے راوی مکہ ومدینہ والے ہوں، کیونکہ ان میں تدلیس بہت کم ہے اور ان کے نزدیک کسی کا جھوٹ اور وضع حدیث کے ساتھ مشہور ہونا بہت بڑی (عیب کی) بات ہے۔

(الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع، ص419، دار الکتب العلمیۃ ۔ بیروت)

تو اگر امام زہریؒ واقعی تدلیس کے خاص مفہوم میں ''مدلّس'' مشہور ہوتے تو ائمہ حدیث ان کی وہ روایت ہرگز قبول نہ کرتے جو ''عن'' کے ساتھ ہو، اسی لئے امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں امام زہریؒ کے بارے میں

یوں لکھا ''محمد بن مسلم الزهری، الحافظ الحجّة، کانَ یُدَلِّس فی النادر ۔'' محمد بن مسلم زہریؒ حافظ اور حجت ہیں، ان کی تدلیس بہت نادر ہے (یعنی نہ ہونے کے برابر ہے، کیونکہ النادر کالمعدوم)۔

(میزان الاعتدال، ج4،ص40، دارالمعرفۃ بیروت)

اگرچہ امام زہریؒ کی ''نادر تدلیس'' (اصطلاحی معنوں میں) ثابت کرنا بھی بہت مشکل ہے، لیکن عجیب تر بات یہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے امام زہریؒ کا شمار مدلّسین کے تیسرے طبقہ میں کر دیا جس کی وضاحت یوں کی ہے کہ ''من أکثر من التدلیس فلم یحتج الائمة من أحادیثهم اِلّا بما صَرَّحوا فیه بالسماعِ ومنهم من رُد حدیثهم مطلقاً ومنهم من قبلهم ۔'' (اس طبقہ میں) وہ لوگ ہیں جو بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں، ائمہ نے اِن کی صرف ان احادیث کو حجت قبول کیا ہے جن میں وہ سماع کی تصریح کریں، کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس طبقہ کے لوگوں کی حدیث کو مطلقاً رد کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے مطلقاً قبول کیا ہے۔

(طبقات المدلّسین، ص2)

کچھ لوگ حافظ ابن حجرؒ کی کتاب ''طبقات المدلسین'' میں امام ابن شہاب زہریؒ کا نام دیکھ کر ان کو مجروح ٹھہرانے کے درپے ہوگئے ہیں، وہ غلط فہمی سے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اس کتاب میں ''مدلسین'' کی فہرست میں ذکر کیا جانے والا ہر نام ایسی تدلیس کے زمرے میں آتا ہے جو کہ حرام ہے، اُن کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ اس کتاب میں تو مشہور ائمہ حدیث مثلاً امام مالکؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور یہاں تک کہ امام دارقطنیؒ جیسے ثقہ لوگ بھی مدلسین کی فہرست میں شامل ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ نے مدلسین کو پانچ طبقوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے طبقہ کی وضاحت یوں فرماتے ہیں کہ ''من لم یوصف بذلک الا نادراً کیحییٰ بن سعید الانصاری '' پہلا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو شاذ ونادر ہی وصفِ تدلیس سے موصوف کیے گئے ہیں جیسے یحیٰ بن سعید انصاری۔ دوسرے طبقہ کی وضاحت یوں فرماتے ہیں ''من احتمل الأئمة تدلیسه وأخرجوا له فی الصحیح لامامته وقلة تدلیسه فی جنب ما روی کالثوري أو کان لا یُدلّس الّا عن ثقة کابن عیینة'' جن کی تدلیس کے بارے میں ائمہ کو احتمال ہوا اور انہوں نے قلت تدلیس اور اس کی امامت کی وجہ سے اپنی صحیح کتب میں ان کی روایات لی ہوں جیسے سفیان ثوری، یا وہ راوی صرف ثقہ سے تدلیس کرتا ہو جیسے (سفیان) بن عیینہ۔ اور تیسرا طبقہ حافظ ابن حجرؒ نے وہ بیان کیا ہے جس کا ذکر پہلے ہوا کہ ''جو بہت زیادہ تدلیس کرتے ہیں، ائمہ نے اِن کی صرف ان احادیث کو حجت قبول کیا ہے جن میں وہ سماع کی تصریح کریں، کچھ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اس طبقہ کے لوگوں کی حدیث کو مطلقاً رد کیا ہے اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے مطلقاً قبول کیا ہے جیسے ابوالزبیر المکی''۔ اور پھر حافظ

ابن حجرؒ نے امام ابن شہاب زہریؒ کا شمار بھی اس تیسرے طبقہ میں کیا ہے جو کہ کئی وجوہ سے محلِ نظر ہے:

(1)...... یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ائمہ حدیث خاص طور پر شیخین (بخاری ومسلم) نے امام زہریؒ کی روایات اپنی اپنی صحیح میں بکثرت لی ہیں اوران روایات کو بطور حجت قبول کیا ہے۔

(2)......متأخرین میں سے جن لوگوں نے امام شافعیؒ ودارقطنیؒ کی بات سے (بشرط ثبوت) یہ سمجھ لیا کہ اس سے ارسال نہیں بلکہ اپنے خاص معنوں میں تدلیس مراد ہے اور پھر یہ لکھ دیا کہ امام زہریؒ کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ تدلیس کرتے تھے (جیسے امام علائی وسبط ابن العجمی) انہوں نے خود یہ بھی تسلیم کیا کہ ائمہ حدیث نے زہریؒ کا ''**عنعنه**'' قبول کیا ہے اوران کی ''عن'' کے ساتھ روایت کی گئی حدیث ردّ نہیں کی۔

(3)......نیز امام علائیؒ نے امام زہریؒ کو مدلسین کے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے جس کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ ''**من احتمل الائمة تدليسه وخرّجوا له في الصحيح وإن لم يصرح بالسماع وذلك إمّا لإمامتِه أو لقلة تدليسه في جنب ما رویٰ أو لأنه لا يدلّس إلا عن ثقة وذلك كالزهري وسليمان الأعمش وابراهيم النخعي...... الخ**۔'' (دوسرا طبقہ وہ ہے) جن کے بارے میں ائمہ نے تدلیس کا احتمال ظاہر کیا ہے اور صحیح (بخاری ومسلم) میں ان کی وہ روایات بھی لائے ہیں جن میں سماع کی تصریح نہیں، (صحیحین میں ان کی ایسی روایات لانے کی وجہ) یا تو یہ ہے کہ یہ لوگ امام ہیں، یا انہوں نے جو کچھ روایت کیا ہے اس میں تدلیس بہت کم ہے، اور یا یہ وجہ ہے کہ وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں۔ (حوالہ پہلے بیان ہوا)۔

(4)......امام زہریؒ کے بارے میں امام ذہبیؒ نے صاف طور پر لکھا کہ ''**محمد بن مسلم الزهري، الحافظ الحجّة، كانَ يُدَلِّس في النادر**۔'' محمد بن مسلم زہریؒ حافظ اور حجت ہیں، ان کی تدلیس بہت شاذ ونادر ہے (حوالہ پہلے گزرا) نیز خود حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں ایک روایت پر بات کرتے ہوئے اسی بات کا اقرار بایں الفاظ کیا ہے کہ:

''**وادخال الزهري بينه وبين عُروة رجلاً مما يؤذن بأنه قليل التدليس**'' زہری کا اپنے اور عروہ کے درمیان ایک اور آدمی کا واسطہ ذکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ (امام زہری) قلیل التدلیس تھے۔

(فتح الباری بتحقيق محمد فؤاد عبدالباقي، ج10 ص427، المكتبة السلفية)

(جاری ہے)

منقبت در مدحِ اصحابِ محمد علیہم الرضوان

محمد سلمان قریشی

نبیؐ کی صحبت سے سب صحابہؓ ہی دیں کے سلطان ہوگئے ہیں
رضائے رب کی سند ہی اُن کی رسولؐ و قرآن ہوگئے ہیں

خدا نے قرآن میں کہا ہے فقط ہدایت ملے گی اُن کو
نبی کے اصحابؓ جیسے لوگو! جو اہلِ ایمان ہوگئے ہیں

مہِ نبوتؐ کے گِرد ہالہ جو بن کے تارے چمک رہے ہیں
وہ جانبِ خُلد جائیں گے رب کے اُن سے پیمان ہو گئے ہیں

نبیؐ کی ازواج ہی تو مائیں ہیں ساری اُمت کے مومنوں کی
حیاتِ جاوید پاگئے ہیں جو ماں پہ قربان ہو گئے ہیں

چلی ابوبکرؓ سے خلافت خلیفہ ثانی عمرؓ بنے ہیں
علیؓ کی بیعت سے جانشین پھر عمرؓ کے عثمانؓ ہو گئے ہیں

چلا خلافت کا سلسلہ جو رُکا نہیں وہ کبھی علیؓ پر
خلیفہ بن کر معاویہؓ بھی اُسی کے شایان ہوگئے ہیں

مشیرِ صدیقؓ تھے عمرؓ گر تو مرتضیٰؓ بھی تھے ساتھ اُن کے
غنیؓ بھی شامل ہیں اِن میں چاروں خُدا کا احسان ہو گئے ہیں

علیؓ ہوں یا ہوں ابواُمامہؓ نبیؐ کے داماد ہیں یہ دونوں
یہی ہے نسبت دو نُور والے ہی ابنِ عفانؓ ہو گئے ہیں

بنو اُمیہ اگر بُرے ہیں تو بات پھر یہ ذرا بتا تو
نبیؐ کے داماد وہ بھی دہرے کیوں ابنِ عفانؓ ہو گئے ہیں

بنو اُمیہ بنا ہے سسرال آقا کی تین بیٹیوں کا
سسر بھی اک آپ کے جو اُموی وہ ابُوسفیان ہوگئے ہیں

معاویہؓ کی ہی شان میں جو نبیؐ کا فرمان سُن رہے ہیں
اگر نہیں دِل میں کُفر اُن کے تو کیوں پریشان ہو گئے ہیں

جو بعد فتحِ مبیں کے اخلاص سے ہوئے دین میں ہیں داخل
ہے نعمتِ آخرت یقینی یہاں بھی ذیشان ہوگئے ہیں

مُحب ہیں جو بھی نبیؐ کے وہ متبع صحابہؓ کے ہیں یقیناً
جو دِل میں رکھتے ہیں بُغض اُن کا وہ دیکھو شیطان ہوگئے ہیں

عشق کے قیدی

(قسط ۳)

ظفر جی

چک ڈھگیاں کی سیر

14 اگست.... 1952ء..... چک ڈھگیاں

صبح آٹھ بجے ہم چک ڈگیاں (چناب نگر) پہنچ گئے۔ دریائے چناب کے کنارے ضلع چنیوٹ کا یہ چھوٹا سا گاؤں اپنی ظاہری خوبصورتی اور محلِ وقوع کے لحاظ سے انتہائی خوبصورت تھا۔ سبزے کی بہار اور پس منظر میں بلند و بالا کوہساروں نے اسے جنّت نظیر بنا رکھا تھا۔ پانچ سال پہلے سر ظفر اللہ کی "برکت" سے اسے "ربوہ" بنایا گیا تھا۔ ان دنوں ملک بھر میں ربوہ کے ڈنکے بج رہے تھے۔ داخلی چوکی پر تعینات پولیس والوں کو چاند پوری نے ایک سفارشی چٹھی دکھائی، جو کسی "ماجد شریف سرائکی والے" کی طرف سے لکھی گئی تھی۔ پولیس والوں نے ہماری جامہ تلاشی لی اور ایک گول کمرے میں چھوڑ آئے۔ یہاں ایک گورا چٹّا جوان کیمرہ لگائے بیٹھا تھا۔ ہمیں باری باری ایک اسٹول پر بٹھایا گیا۔ فوٹو کشی کے بعد ہماری تصاویر ڈِیویلپ ہونے تک ہمیں بغلی کمرے میں دھکیل دیا گیا۔ کمرے میں لگے ایک قد آدم پورٹریٹ کو دیکھ کر میں نے سرگوشی کی: "یہ بزرگ کون ہیں؟ "

"یہی تو ’’خلیفۂ قادیان‘‘ ہیں، جو اَب ’’خلیفۂ پاکستان‘‘ بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں۔ "

تصاویر تیار ہو گئیں تو ہمیں ایک تیسرے روم میں لے جایا گیا، یہاں ہمارے فنگر پرنٹس لے کر ایک فارم ہمارے حوالے کیا گیا، جسے لے کر ہم ایک چوتھے کمرے میں آ گئے۔ یہاں ایک سرسری انٹرویو کے بعد ہمارے کاغذات پر ربوہ کی انٹری سٹیمپ لگا کر ہمیں پاس مہیا کر دیے گئے۔ ربوہ کا "ویزا" لے کر اب ہم قصبے میں آزاد گھوم رہے تھے۔ یہاں کی ترقّی دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ قصبے میں ایک مکان بھی کچّا نہ تھا۔ پورے قصبے میں پکی سڑکوں کا جال سا بچھا ہوا تھا۔ یہاں کے ساٹھ فیصد لوگ سرکاری ملازم تھے اور ہر برسرِ روزگار شخص پر لازم تھا کہ وہ اپنی کمائی کا دس فیصد جماعت احمدیہ کے لئے ضرور وقف کرے۔

"پہلے بہشت سے نہ ہو آئیں؟" چاند پوری نے تجویز پیش کی۔

"بہشت؟ "

"مرزائیوں کا قبرستان بہشتی مقبرہ، جہاں صرف جماعت احمدیہ کو چندہ دینے والے ہی دفن کئے جاتے ہیں۔ "

ہم نام نہاد بہشتی مقبرے میں داخل ہوئے۔ سرسبز وشاداب ہونے کے باوجود یہاں ایک عجیب سی ویرانی تھی۔ جماعت احمدیہ کو عمر بھر زرِتعاون مہیا کرنے والے یہاں دفن کئے جاتے تھے، دوسری طرف ایک اجاڑ سا وِیرانہ تھا، جہاں جماعت کے باغی یا موافقت نہ کرنے والے گاڑے جاتے تھے۔ چاند پوری نے عین قبرستان کے بیچ جا کر دعا کے لیے ہاتا اُٹھا دیے ۔ میں نے پہلے تو انہیں حیرانی سے دیکھا، پھر دعا کے الفاظ سن کر خود بھی آمین، آمین کہنے لگا: رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ

(اے ہمارے رب ہدایت کے بعد کہیں ہمارے دلوں کو کجّی میں مبتلا نہ کر دینا، ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطاء کر کہ تو ہی فیاضِ حقیقی ہے۔)

دعا کے بعد وہ نمدار آنکھوں سے بولے:

" یار دیکھو! کتنے ہی نادان لوگ سیدھی راہ سے بھٹک کر اُس راستے پر چل نکلے، جو سوائے جہنّم کے اور کہیں نہیں جاتا۔ آخرت کی منازل میں سے پہلی منزل قبر ہے۔ جہاں تین سوالات میں سے ایک سوال خاتم النبیین ﷺ کے بارے میں بھی ہوگا۔ یہ کیا جواب دیں گے؟ ہدایت ملنے کے بعد بھٹک جانا انسان کی سب سے بڑی کم نصیبی ہے۔"

سامنے ایک چاردیواری میں کچھ قبریں تھیں۔ چاردیواری پر لکھا تھا: "یہاں جو لوگ مدفون ہیں۔ انہیں موقع ملتے ہی قادیان (ہندوستان) کے قبرستان میں منتقل کر دیا جائے۔ "دیوار پر ایک ٹیلی فون بھی نصب تھا۔ جو اِس ویرانے میں یقیناً بڑا عجیب لگ رہا تھا۔" حضرت! یہ ٹیلی فون یہاں کس لئے لگایا گیا ہے؟" "ہوسکتا ہے یہاں کے مُردوں کا قادیان کے مُردوں سے اس فون پر رابطہ رہتا ہو۔" چاند پوری نے جواب دیا۔ اس سے پہلے کہ مجھے ہنسی کا دورہ پڑتا، انگریزی کوٹ پہنے خشخشی داڑھی والا ایک شخص بغل میں رجسٹر دبائے ہماری طرف چلا آیا اور بہت اخلاق سے جھک کر پنجابی میں بولا:

"نور مرزا.... مہتمم بہشتی مقبرہ..... کتھوں آئے او سرکار؟ "

"لاہور سے" چاند پوری نے جواب دیا۔

"ماشاءاللہ.... سبحان اللہ.... احمدی مسلک آ؟ "

" نہیں جناب! فی الحال تو مسلمان ہیں۔ آگے چل کر حکومت جانے کیا بنا دے۔ "

"دیکھو جی.... دین وچ تے اختلافات چلدے ای رہندے نیں۔ اسی بحث نئیں کردے۔ اے دسّو کہ ایتھے آ کے تُسّی کی محسوس کیتا؟ "

"ہم نے کچھ سوالات محسوس کئے ہیں.. اگر ناراض نہ ہوں تو..... "

"ہاں جی! بسم اللہ، ضرور پُچھو!" وہ بڑی چاپلوسی سے بولا۔

"آپ کو کیسے یقین ہے کہ یہاں دفن ہونے والے سب جنتی ہیں۔" وہ کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر میسنا سا ہو کر بولا: "اللہ دی ذات توں امید تے کیتی جاسکدی اے ناں سرکار!" "لیکن ہم نے سنا ہے کہ بہشت کا جھانسہ دے کر آپ مرزائیوں سے جبری چندہ وصول کرتے ہیں؟ کیا یہ درست ہے؟؟ "

"ناں جناب ناں! جبری کوئی نہیں لیندا۔ لوگ خوشی نال خیرات کردے نیں۔ فی سبیل اللہ!" "اور اگر کوئی غریب شخص خیرات نہ دے سکے تو...." "کوئی مسئلہ نئی، اپنی اپنی توفیق دی گل اے۔" ہم باتوں میں مصروف تھے کہ قبرستان میں کچھ لوگ ایک سجی سجائی ریڑھی دھکیلتے داخل ہوئے۔ چار پہیوں والی اس خوبصورت ریڑھی پر ایک دیدہ زیب چادر تنی ہوئی تھی۔ "معاف کرنا، جنازہ آ گیا۔" یہ کہتے ہوئے نور مرزا ہمیں چھوڑ کر اُس طرف دوڑا۔ ہم بھی پیچھے پیچھے ہو لئے۔ "اِنا للہ، جی آیاں نوں۔ رسیداں کڈھو سرکار۔" اس نے میت کے ورثا سے کہا۔ مرنے والے کے ایک عزیز نے جیب سے کوئی پوٹلی نماء چیز نکالی، پھر اُس میں سے مُڑے تُڑے کاغذات نکال کر نور مرزا کے حوالے کئے۔

"شناختی کارڈ پھڑاؤ...."

میّت کے عزیز نے جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر دیا۔ "مرحوم دا شناختی کارڈ منگیا سرکار، تواڈے کارڈ نوں میں اگ لاؤنڑیں اے۔" نور مرزا شناختی کارڈ اُلٹ پلٹ کر بولا۔ "یہ لیجئے، میرے پاس ہے۔" میّت کے ایک دوسرے عزیز نے ڈیڈ باڈی کا کارڈ تھمایا۔

"مرحوم نے اک سال دا چندہ نئیں دِتّا....!!!" نور مرزا کسی پٹواری کی طرح رجسٹر کھنگالتے ہوئے بولا۔ "مرحوم عمر بھر چندہ دیتے رہے ہیں۔ ایک سال سے حالات اچھے نہ تھے۔" رشتہ دار نے بتایا۔

"کوئی گل نئیں.... برکت تے رب نے ای پانڑیں اے.... میّت دا کوئی وی رشتہ دار پچیس سو روپیہ جمع کرا دیوے" چونکہ اُس زمانے میں ایک عام سرکاری ملازم کی تنخواہ پچاس روپے سے زیادہ نہ تھی۔ اس لیے رشتہ دار پریشان ہو کر بولا: "پچیس سو روپے کہاں سے لائیں حضور؟ "

"مرحوم دی کوئی جائیداد وغیرہ تے ہونڑیں اے؟ "

"ایک مکان ہے، جس میں اس کا بال بچّہ رہتا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

"مکان ویچ چھڈّو، جنّت وچ مکان مفت تے نئیں ملدا سرکاراں!"

رشتہ دار کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا۔ پھر لاش اُدھر ہی چھوڑ کر آنسو پوچھتا، روپوں کی تلاش میں نکل گیا۔ چاند پوری میرا ہاتھ پکڑ کر

قبرستان سے باہر نکل آئے اور کہا: "یہ ہے، وہ اندھیر نگری، جسے زندہ مذہب کا نام دے کر وزیر خارجہ پوری قوم پر مسلط کرنا چاہتے ہیں، مُردوں کے ساتھ یہ سلوک ہے تو زندوں کے ساتھ کیا ہوگا....؟ "

قبرستان سے نکل کر ہم ایک گراؤنڈ کے پاس سے گزرے۔ یہاں کچھ وردی پوش رضا کار پریڈ کر رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں سرکاری رائفلیں تھیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے فوج کی کوئی رجمنٹ ٹریننگ کر رہی ہو۔

" یہاں ہر شخص کے گھر میں آتشیں اسلحہ ہے۔ حال ہی میں چنیوٹ سے ٹنوں کے حساب سے بارُود اور چُونیاں (ضلع قصور، پنجاب) سے بھاری مقدار میں سِکّہ خرید کر ربوہ لایا گیا ہے، تاکہ گولیاں بنائی جا سکیں۔" چاند پُوری نے بتایا۔ "اخبارات اس معاملے پر شور کیوں نہیں کرتے؟" "سنتا کون ہے بھائی؟ "سب سر ظفر اللہ کی سنتے ہیں اور ظفر اللہ صرف اپنے ’’خلیفہ‘‘ کی سنتا ہے۔! "

ہم ایک محل نما عمارت کے پاس سے گزرے تو چاند پوری نے کہا:

" یہ رہا ’’قصرِ خلافت‘‘ [مرزائیت کا مُردہ گھوڑا جسے 1907ء میں علما و صوفیاء کرام نے اپنے تئیں دفنا دیا تھا۔ اُسے دوبارہ زندہ کرنے کا سہرا مرزا بشیر الدین محمود کے سر ہے۔ انہوں نے ہی اس تحریک کو نئے سرے سے منظّم کیا ہے "" آخر کوئی تو اُن کی پشت پناہی بھی کرتا ہوگا؟" "ملحدین، لبرلز، سیکولرز، مغرب پسند، سب اُن کے ساتھ ہیں۔ قومی لیڈروں میں لیاقت علی خان کچھ ایمان والے تھے۔ انہیں اوپر پہنچا دیا گیا ہے۔ اب لے دے کے سردار عبدالرب نشتر بچے ہیں، جنہیں لوگ "مولوی منسٹر" کہہ کر چھیڑتے ہیں، باقی سب مذہب بیزار ہیں اور ہر مذہب بیزار شخص کو قادیانیت شہد کی طرح میٹھی لگتی ہے۔ "

ہم ایک بہت بڑے پنڈال میں پہنچے جہاں ہزاروں افراد کے مجمع سے قادیانی ’’خلیفہ‘‘ مرزا بشیر الدین کا خطاب جاری تھا۔

" مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ امام مہدی کے لشکر میں قبُول لے گئے ہو! مسیحِ موعود کی اُمّت میں اٹھائے گئے ہو! یہ وہی مقام ہے کہ جانے کتنی امتیں اس کی تلاش میں دارِ فانی سے کُوچ کر گئیں! یہ وہی جائے قرار ہے کہ جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے: ربوۃٍ ذاتِ قرارٍ و معین! "نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر!

اس دوران فضاء میں جنگی جہازوں کی گڑ گڑاہٹ سنائی دی۔ پاکستان ایئر فورس کے دو "سُپر میرین اٹیکر" طیارے فضاء میں نمودار ہوئے اور سٹیج کے عین اوپر آ کر سیدھے فضاء میں بلند ہو گئے۔ "حضرت یہ کیا..؟" میں نے وفورِ حیرت سے پوچھا۔ "سلامی !!!.....آج اس بدقسمت ملک کا یومِ آزادی ہے!" انہوں نے اطمینان سے جواب دیا۔ ہوائی جہازوں کی

گڑگڑاہٹ تھمی تو ’’خلیفہ‘‘ کا خطاب پھر شروع ہوگیا۔

"اسلام کا سایہ کھنچنے لگا۔ ! خُدا کی حکومت پھر آسمان پر چلی گئی ! دُنیا پھر شیطان کے قبضے میں دے دی گئی ! اب خُدا کی غیرت پھر جوش میں آئی ہے اور تم کو ! ہاں تم کو ! ہاں تُم کو ! خدا تعالیٰ نے پھر اس نوبت خانے کی خدمت سپرد کی ہے !" اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو ! اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو ! اے آسمانی بادشاھت کے موسیقارو ! ایک دفعہ پھر اِس نوبت کو اِس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں ! " کانوں کو پھاڑ دینے والے نعروں کا شور بلند ہوا۔ ’’خلیفہ‘‘ نے پسینہ پُونچھا اور پانی پینے لگے۔ ’’خلیفہ‘‘ جانے کون سی نوبت بجوانا چاہتے تھے، میرا تو مغز پھٹا جا رہا تھا۔ جلسہ گاہ میں آگے بیٹھے ایک صاحب بار بار پہلو بدل رہے تھے۔ نا معلوم گوبھی کھائے بیٹھے تھے، یا مُولی کا کھیت اجاڑ کے آئے تھے، انہوں نے سانس لینا دشوار کر دیا تھا۔ میرے برابر بیٹھے چاند پوری تقریر کے برابر نوٹس لئے جا رہے تھے۔

"حضرت ! یہاں قریب میں کوئی درخت ہے؟" میں نے کہا۔ "ہوں، کیوں؟" وہ بڑبڑائے۔ "درخت پر بیٹھ کر ’’خلیفہ‘‘ کی تقریر سنتے ہیں" وہ شارٹ ہینڈ لیتے ہوئے بولے: "بہت اہم تقریر ہے۔ "افلاک" میں چھپے گی تو حکومت کی آنکھیں کھل جائیں گی۔" "حکومت کی آنکھیں نہیں، شاید ناک بند ہے۔" میں نے کہا۔ اس دوران پانی کا وقفہ ختم ہوا اور خطاب دوبارہ شروع ہوگیا:

" ایک دفعہ پھر اپنا خون اپنے نعروں میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز اٹھے اور فرشتے بھی چونک اٹھیں۔ اِسی لیے میں نے جماعت ’’تحریکِ جدید‘‘ شروع کی ہوئی ہے۔ اللہ کے سپاہیوں میں داخل ہو جاؤ ! نبی کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے۔ تم نے مسیح سے چھین کر وہ تخت نبی کو دینا ہے اور نبی نے وہ تخت خدا کو پیش کرنا ہے اور خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے ! "

"اس کا کیا مطلب ہے؟ کون سا تخت؟؟" "تختِ پاکستان" چاند پوری کاغذ پر شارٹ ہینڈ لیتے ہوئے بولے۔ ’’خلیفہ‘‘ کہہ رہا تھا: "1952 گزرنے نہ دیجئے۔ اپنا رعب دشمن پر طاری کر دیجئے۔ تاکہ دشمن محسوس کر لے کہ خدا کا دین مٹایا نہیں جا سکتا، اور وہ مجبور ہو کر احمدیّت کی آغوش میں آن گرے ! "

"خلیفہ کو آخر کس چیز کا غصہ ہے؟" میں نے پوچھا:

"مجلسِ عمل تحفظ ختم نبوت کی تشکیل کا۔ ان لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نصف صدی سے آپس میں سینگ اڑائے علماء کرام تحفظ ختم نبوت کے محاذ پر اِتنی جلدی باہم شیر و شکر ہو جائیں گے۔ مجلس عمل کی تشکیل ہی علماء حق کا وہ کارنامہ ہے کہ جس سے مرزائی "نوبت" میں سوراخ ہو چکا ہے۔ "

"لیکن یہ ہنگامہ تو صرف ربوہ کے اندر ہی دکھائی دیتا ہے۔" "پاکستان بھر میں اس کی فُل نمائش جاری تھی بھائی ! اُن کا تبلیغی

مشن ایک ایک وزیر کا پیچھا کر رہا تھا۔ سرظفراللہ خان وزراء کی نبض پر ہاتھ رکھ چکے تھے۔ ان کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ انہیں ایک ایک کر کے ربوہ کا دورہ کرا رہے تھے۔ ظاہر ہے جو مذہب بادشاہ کا ہوگا وہی رعایا کا بھی ہوگا۔ مجلس عمل کے قیام کے بعد یہ سلسلہ رُک چکا ہے بس یہی ’’خلیفہ‘‘ کی پریشانی ہے "

’’خلیفہ‘‘ نے پھر اسٹارٹ لیا: "آخری وقت آن پہنچا! اِن احمدی علماء کے خون کا بدلہ لینے کا، جن کو شروع سے آج تک یہ خونی مُلا قتل کرتے آئے ہیں۔ ہم بدلہ لیں گے عطاء اللہ شاہ بخاری سے، ملا بدایونی سے، ملا احتشام الحق سے، ملا محمد شفیع سے اور پانچویں سوار مُلا مودودی سے۔ ہم فتح یاب ہوں گے اور ضرور تُم مجرموں کی طرح ہمارے سامنے پیش کئے جاؤ گے اور اُس دن تمہارا حشر بھی وہی ہوگا جو فتح مکہ کے دن ابوجہل اور اس کی پارٹی کا ہوا تھا۔"

پانی کا وقفہ ہوا تو کچھ سکون نصیب ہوا۔ چند ثانیہ بعد ’’خلیفہ‘‘ پھر گرم ہو گئے:

"اور سُن لو۔ کان کھول کے سُن لو۔ عالمِ رویا سے ایک نئی خبر آئی ہے! "

"خلیفہ کا وَطیرہ ہے کہ اہم سیاسی بیان ہمیشہ خواب میں لپیٹ کر دیتا ہے۔" چاند پوری بولے۔

"وہ کیوں؟ "

" تا کہ کسی عدالت میں چیلنج نہ ہو سکے....خواب ہمیشہ قانون کی گرفت سے آزاد ہوتے ہیں، چاہے خواب جھوٹے ہوں یا سچّے۔"

"سُنو، سُنو، سُنو! " میں نے ایک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کھاٹ پہ لیٹا ہوں۔ گاندھی جی آتے ہیں اور میرے ساتھ کھاٹ پہ لیٹ جاتے ہیں اور جب اٹھ کر جانے لگتے ہیں تو قدرے فربہ دکھائی دیتے ہیں! "

" گاندھی جی کو بھی نہیں بخشا؟ " میں نے ہونقوں کی طرح چاند پوری کی طرف دیکھا۔ "ابھی تعبیر سننا....مزید ٹھنڈے ہو جاؤ گے۔" وہ نوٹس لکھتے ہوئے بولے۔ "اِس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ اگر خدا کے سپاہیوں کا راستہ روکا گیا۔ اگر ہماری راہ میں روڑے اٹکائے گئے تو یہ مُلک نہیں رہے گا۔ ٹوٹ جائے گا پاکستان۔ پھر سے ایک ہو جائے گا ہندوستان! "

مخلوق پھر نعرہ زن ہوگئی۔

"اب خود ہی فیصلہ کرلو۔" چاند پوری نوٹس سمیٹتے ہوئے بولے۔ "اگر یہی بات کوئی مولوی کہتا تو رَاتوں رات مشکیں کس کے حوالات میں نہ پھینک دیا جاتا؟ لیکن خلیفہ کو کون پوچھے؟؟ اندھیر نگری ہے بھائی اندھیر نگری! "

(جاری ہے)

اسلام اور قادیانیت

قسط:۱

مولانا محمد مغیرہ

ایک قادیانی کی طرف سے کیے گئے چند سوالوں کے جوابات:

جامع مسجد احرار چناب نگر میں گذشتہ سال بارہ ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ کو منعقد ہونی والی ختم نبوت کانفرنس عروج پر تھی، میری مصروفیت کی پوزیشن جو ہوتی ہے وہ کانفرنس میں شریک ہونے والے احباب سے مخفی نہیں۔ ایسی حالت میں جھنگ کے ایک کرم فرمانے ملاقات کرتے ہوئے ایک لفافہ میری جیب میں ڈالتے ہوئے کہا کہ کچھ قادیانیوں کے سوالات ہیں جن کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔ کانفرنس کے اختتام پر جب لفافہ کھولا، سرسری نگاہ ڈالی تو وہی معروف باتیں جو قادیانی تسلسل کے ساتھ ہمیشہ سے کہتے اور لکھتے چلے آرہے ہیں۔ کوئی سر نہ پاؤں، بات کہاں سے شروع ہوئی اور کہاں ختم ہوئی، بات سے بات بیمار دماغ میں پیدا ہونے والے فاسد تخیلات ہر قسم کے قانون قاعدہ سے کلیۃً مُبرّا ہر بات کے بعد مولوی ایسے ہیں ویسے ہیں، مولویوں نے دین کا خانہ خراب کردیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان سوالات کے جوابات کی قطعاً ضرورت نہیں تھی کہ ان کے جوابات تفصیلاً ہمارے بزرگ علماء پہلے دے چکے ہیں اور اس لیے بھی ضرورت نہیں تھی کہ قادیانی گروہ اپنے اختیار کردہ دھرم سے کسی صورت بھی باہر نکلنے کو تیار نہیں اور ان کے نزدیک اسلام وہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی نے پیش کیا۔ قرآن کی تفسیر وہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی نے کی، حدیث کا معنی اور مفہوم وہ ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کہہ چکے اور جو تفسیر قرآن مجید کی اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے واسطہ سے امت محمدیہ کو ملی (اور امت محمدیہ اسی تفسیر کو ہی امانتاً اللہ کی مخلوق کو پیش کرتی چلی آرہی ہے) اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا معنی ومفہوم جو اصحاب رسول علیہم الرضوان سے لے کر امت محمدیہ کے تمام طبقات، ائمہ مجتہدین، محدثین چودہ صدیوں سے پیش کرتے چلے آرہے ہیں وہ سب غلط بلکہ قادیانیوں کے نزدیک مولویوں کی غلط تاویلات ہیں۔ اب اس صورت حال میں اگر آپ قادیانیوں کو جواب دیں گے تو ان جوابات کا قادیانیوں کو کیا فائدہ ہوگا۔ ہاں البتہ وہ قادیانی جو اخلاص نیت سے اسلامی تعلیمات سے آگاہی کی فکر دماغ میں رکھتے ہیں اور راہ حق کی تلاش میں ہوں یا وہ مسلمان جو قادیانیوں سے عمومی طور پر ملتے جلتے اور تعلیمات اسلام سے واقفیت نہ ہونے کے باعث قادیانیوں کی روزمرہ ہانکی ہوئی باتوں سے پریشان ہیں انھیں بفضلہ تعالیٰ اس سے فائدہ ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے۔

قارئین محترم! اہل اسلام، اللہ کے آخری نبی ورسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نبی ورسول مانتے ہیں اور آپ صلی اللہ

علیہ وسلم پر اترنے والی کتاب قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی انسانیت کے لیے آخری کتاب ہدایت مانتے ہیں اور اس کی تشریحات جو اللہ کے آخری نبی فرما گئے ہیں انہی پر ایمان رکھتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تشریحات، آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ذریعے امت کو پہنچیں ہیں اور انھیں پر ہی امت کے تمام طبقات صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین، مجدّدین متفق چلے آرہے ہیں نیز احادیث رسول کا معنی ومفہوم جو امت کے تمام طبقات سے ہوتا ہوا ہمارے پاس پہنچا ہے اسی کو ہی سچا اسلام اور دین حق مانتے ہیں اور چودہ صدیوں سے سنداً بعد سندٍ جو قرآن وحدیث کی بات جس شکل اور جس مفہوم میں اوّل زمانہ اسلام سے امت کے تمام طبقات مانتے چلے آرہے ہیں، اسی پر گامزن ہیں اور اسی راہ حق سے چمٹے ہوئے ہیں کہ اللہ کی آخری کتاب میں ہے:

وَ مَنۡ یُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الۡهُدٰی وَ یَتَّبِعۡ غَیۡرَ سَبِیۡلِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰی وَ نُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتۡ مَصِیۡرًا. (النساء، ۱۱۵)

(ترجمہ) جو شخص رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستہ کے سوا کسی اور راستہ کی پیروری کرے اس کو ہم اسی راہ کے حوالے کردیں گے جو اس نے خود بنائی ہے اور اسے دوزخ میں جھونکیں گے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ **اللھم اجرنا من النار**۔ اور ہر وہ بات چاہے ظاہراً کتنی ہی خوبصورت ہو اور دل کو بھائے بھی مگر اس کا تعلق امت کے تمام طبقات سے ہوتا ہو اللہ کے آخری نبی ورسول صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچے اہل اسلام اس کو کسی طور ماننے کے لیے تیار نہ تھے نہ ہی اب ہیں۔

اب آتے ہیں ان سوالات کی طرف جو اس لفافے میں ایک قادیانی نے کیے ہیں اور جواب مانگا ہے۔

۱۔ سب سے پہلے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کا سوال ہے۔

اس سے پہلے کہ رفع مسیح علیہ السلام پر بات ہو، یہ بات ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا نام اسلام ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید مسلمانوں کے پاس ایسے باحفاظت موجود ہے جیسے اتاری گئی اور چونکہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے اور عربی زبان اتنی وسیع ہے کہ ایک ایک لفظ کے کئی معانی ہیں اسی لیے قرآن مجید کے اترنے کے ساتھ ہی ابتداً خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے معانی متعین کردیے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واسطہ سے امت کے پاس آج بھی ایسے ہی محفوظ ہیں جیسے قرآن مجید کے الفاظ محفوظ ہیں۔ تو پھر یہ بات واضح ہوگئی کہ جیسے قرآن مجید کے الفاظ محفوظ ہیں ایسے ہی قرآن مجید کے الفاظ کے معانی بھی محفوظ ہیں۔

اگر آج کوئی آدمی اپنی زبان دانی کے زور پر لغت کو سامنے رکھ کر کوئی اور معنٰی مراد لیتا ہے جو کہ خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں لیے اور آپ سے منقول نہیں ہیں تو اس کی اس کاوش کو ایسے ہی رد سمجھا جائے گا جیسا کہ کوئی قرآن مجید کے الفاظ سے متعلق ہرزہ سرائی کرے۔ دین اسلام کے نام پر اللہ تعالیٰ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جو

تعلیمات خواہ عقائد ہوں یا اعمال، ہر چیز مسلمانوں کے پاس سند کے ساتھ موجود ہے ہر زمانہ میں اسلام کی ہر بات ایسے ہی رہی جیسے آج کے زمانہ میں، اس پر مسلمانوں کو فخر ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق پوری امت مسلمہ یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔ یہودی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا پروگرام بنا کر آپ مکان کا محاصرہ کر چکے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیج کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھالیا جو قیامت سے پہلے زمین پر سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی طرح خلیفہ بن کر نزول فرمائیں گے۔ دجال کو قتل کریں گے، چالیس یا پینتالیس سال تک پوری روئے زمین پر حکومت کریں گے، شادی کریں گے، اولاد ہوگی اور پھران کو موت آئے گی۔ مسلمان ان کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور روضۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مدفون ہوگئے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق یہ عقیدہ من وعن ابتداءِ اسلام سے آج تک مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور پوری امت محمد یہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق اسی عقیدہ کو اپنائے ہوئے ہے۔ (اس کی پوری تفصیل احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی تمام تفاسیر میں موجود ہے) جبکہ یہودی قوم آج تک یہی کہتی چلی آرہی ہیں کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کر دیا جبکہ قرآن مجید نے صاف طور پر ان کے اس قول قتل مسیح کو نہ صرف یہ کہ لعنتی کہا بلکہ صاف لفظوں میں رد فرمایا۔

قرآن مجید میں ہے کہ یہودیوں کا یہ کہنا:

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَالَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًاo بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًاo (النساء، ۱۵۷،۵۸)

"ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ ابن مریم کو قتل کر دیا حالانکہ نہ انھوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا اور نہ انھیں سولی دے سکے بلکہ انھیں اشتباہ ہوگیا اور بیشک اس بارے اختلاف کرنے والے لوگ شک میں پڑ گئے۔ ان کے پاس گمان کے اتباع کرنے کے علاوہ کوئی علم نہیں ہے اور یقینی بات ہے کہ وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کو قتل نہیں کر سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس اٹھالیا اور اللہ غالب حکمتوں والا ہے۔

ا: اس آیت کے ترجمہ سے صاف طور پر واضح ہورہا ہے کہ یہود قتل عیسیٰ کے قائل تھے (اور ہیں) جس کی تردید فرما کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ عیسیٰ کو قتل نہ کر سکے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ تعالیٰ زبردست طاقت والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے عیسیٰ کو اٹھالینا کوئی مشکل کام نہیں اور اللہ کے کاموں میں حکمت ہوتی ہے۔

۲: یہودی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کے قتل کے مدعی تھے مگر اللہ تعالیٰ نے قتل کی نفی فرما کر اسی جسم کے رفع کا

ذکر فرمایا **بل رفعه الله الیه** معلوم ہوا کہ جس جسم کو قتل کرنے کے یہودی مدعی تھے، اسی جسم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا۔ قتل جسم کا ہوتا ہے روح کا نہیں ہوتا۔ روح کا قتل ممکن ہی نہیں۔ اگر کوئی کہے کہ جسم نہیں اٹھایا گیا بلکہ روح اٹھائی گئی ہے تو رفع روح سے مراد موت ہوگی۔ یہی تو یہودیوں کی منشا تھی کہ کسی طریقے سے عیسیٰ علیہ السلام کو راستہ سے ہٹایا جائے جو یہود کے ہاتھوں نہ سہی خود اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو موت دے کر یہودیوں کا راستہ صاف کر دیا۔ یہ مفہوم لینا کسی طرح بھی درست اور صحیح نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسی بات کو یوں بیان فرمایا ہے کہ............ **ومکروا ومکر اللّٰہ واللّٰہ خیر الماکرین** کیا اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جائے گا کہ یہودیوں نے عیسیٰ کو قتل کرنے کی تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ کو موت دینے کی تدبیر کی، یہ کیسے درست ہو سکتا ہے؟ لازمی طور پر یہودیوں کی تدبیر اگر عیسیٰ کو مارنے کی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تدبیر اس کے مخالف ہی ہونی چاہیے اور وہ ہے عیسیٰ کو موت سے بچانا اور اسی کا ذکر............ **وما قتلوه یقینا رفعه اللّٰہ الیه** میں ہے کہ عیسیٰ کو یہود کے ہاتھوں قتل سے بچا کر اپنے طرف اٹھا لیا۔

لفظ رفع کا معنی:

لفظ رفع کا حقیقی معنٰی جس کے لیے یہ وضع کیا گیا ہے وہ ہے کسی چیز کو نیچے سے اوپر اٹھانا، جبکہ اس کا مجازی معنی کسی چیز کی عظمت اور درجات کی بلندی کے لیے بولا جانا بھی ہے۔ قرآن مجید میں دونوں یعنی حقیقی اور مجازی معنوں کے لیے رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن کہاں حقیقی اور کہاں مجازی، اس کا فیصلہ بھی ابتداء ہی سے ہو چکا ہے۔

لفظ رفع کے حقیقی معنوں میں استعمال کی چند آیات:

● اَللّٰهُ الَّذِی رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ [رعد، آیت:۲] اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر ستونوں کے ● وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ ۔ [بقرہ: آیت:۶۳] اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا اور کوہ طور کو تمہارے اوپر اٹھا کھڑا کیا تھا ● وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ [یوسف، آیت:۱۰۰]۔ (یوسف علیہ السلام نے) اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا۔

ان تینوں آیات میں لفظ رفع اپنے حقیقی معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں حقیقی معنی کیے بغیر چارۂ کار نہیں۔ کیا پہلی آیت میں یہ ترجمہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے درجے بلند کیے، دوسری آیت میں یہ ترجمہ کیسے کیا جا سکتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کے درجے بلند کیے، تیسری آیت میں یہ ترجمہ کرنا کہ ''بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا اور ان پر کوہ طور کے مرتبے کو بلند کیا'' ہرگز درست اور صحیح نہیں ہے۔

ایسے ہی لفظ رفع مجازی معنٰی میں قرآن مجید میں کل بارہ مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ مگر صرف چند آیات پیش خدمت ہیں جہاں لفظ رفع مجازی معنٰی بلندی درجات میں استعمال ہوا ہے۔ ● رَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ [انعام

آیت: ۱۶۵]۔ بلند کیے اس (اللہ) نے تمہارے بعض کے درجات کو بعض پر۔● مِنۡهُمۡ مَنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ [بقرہ، آیت: ۲۵۳]۔ ان میں بعض ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجات۔● رَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ [زخرف، آیت: ۳۲]۔ ہم نے بلند کیے ان میں سے بعض کے بعض پر درجات۔

ان مذکورہ تین آیات کے علاوہ جہاں کہیں بھی لفظ رفع مجازی معنٰی بلندیٔ درجات کے لیے استعمال ہوا ہے وہاں ضرور کوئی نہ کوئی قرینہ موجود ہوگا جس وجہ سے رفع کا معنی مجازی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسے مذکورہ تینوں آیات میں لفظ ''درجات'' موجود ہے۔

جب یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کے لفظ رفع کا اصل معنٰی کسی چیز کو نیچے سے اوپر اٹھانا ہے جبکہ لفظ رفع مجازی معنی بلندیٔ درجات کے لیے بھی بولا جاتا ہے تو پھر ہر جگہ پر لفظ رفع کے مجازی معنٰی بلندیٔ درجات کرنے پر مجبور کرنا کم علمی اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عربی لغت کے امام، امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں الرفع تارۃ فی الاجسام الموضوعۃ اذا اعلیتھا عن مقرھا نحو ورفعنا فوقکم الطور. اٹھانا: کبھی تو نیچے رکھے ہوئے جسموں کو ان کی جگہ سے اوپر اٹھانے کو کہتے ہیں، جیسے رفعنا فوقکم الطور ہم نے تم پر پہاڑ کو اٹھایا اور کبھی کسی چیز کی عظمت اور درجہ کی بلندی کے لیے بولا جاتا ہے، جیسے رفعنا لک ذکرک۔

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ رفع کا معنٰی حقیقی نیچے سے اوپر اٹھانا ہے اور مجازی معنی بلندیٔ درجات ہے تو آپ ایک دفعہ پھر واپس پلٹیں، آیت بل رفعہ اللّٰہ الیہ کی طرف کہ حقیقی معنٰی اٹھانا کیا جا رہا ہے نہ کہ مجازی۔ کیونکہ اگر معنی مجازی کیا جاتا تو بعد میں آنے والے جملہ کان اللّٰہ عزیزاً حکیما معاذ اللہ بے فائدہ نظر آئے گا کیونکہ رفع روحانی سے مراد موت ہی لی جائے گی۔ اور کسی کو موت دینا تو ایک عمومی بات ہے، اللہ تعالیٰ کی صفت عزیز کا ذکر پھر بے معنی نظر آ رہا ہے۔ ہاں اگر اس کا معنی حقیقی اٹھانا کیا جائے تو پھر یقیناً کان اللّٰہ عزیزا حکیما اللہ تعالیٰ غالب طاقتور اور قوت والا ہے صحیح اور درست ہوگا کہ آسمان پر کوئی نہیں جا سکتا مگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ یہ کر سکتا ہے کہ وہ ذات طاقتور اور قوت والی ہے۔

جبکہ سیدنا ادریس علیہ السلام سے متعلق قرآن مجید میں صرف رفعناہ مکانا علینا ...... ہے اور مکانا علیا بلندیٔ مقام، بلندیٔ درجات کے مفہوم میں ہے جبکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيۡهِ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع میں مکان یا درجات کا کوئی لفظ نہیں ہے۔ تو پھر کیسے سیدنا ادریس علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع کو ایک سمجھا جا سکتا ہے البتہ سیدنا ادریس علیہ السلام کا رفع الگ ایک مستقل موضوع ہے

اس کو درمیان میں لانا بات کو طول دینے کے سوا کچھ نہیں۔

[سورۃ مائدہ کی آیت: ۱۱۶۔۱۱۷] وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ اِنْ کُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِکَ اِنَّکَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِo مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّکُمْ وَ کُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ وَ اَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌo

اس میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کا قطعاً کوئی تذکرہ نہیں مگر قادیانی اس آیت میں موجود لفظ توفیتنی کا معنیٰ موت کر کے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کی خام کوشش کرتے ہیں۔ یہ اس وقت ہے جبکہ توفیتنی کا معنیٰ موت ہوسکتا ہو، جب اس کا معنیٰ موت ہے ہی نہیں تو پھر اس سے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی موت پر استدلال پکڑنا کیسے درست مان لیا جائے۔

مسلمان قرآن مجید کی تفسیر وہ مانتا ہے جو خود حضور علیہ السلام نے فرمائی ہو اور آپ کے صحابہ سے منقول ہو اور پوری امت کے مفسرین مجددین کرتے چلے آرہے ہوں۔ آج کے دور کے آوارہ یا آزاد خیال، اللہ اور رسول کی اتباع سے عاری کسی شخص کی بات مان کر ہم نے اپنے لیے جہنم ضرور خریدنی ہے۔ تَوَفّی کا لفظ وَفٰی سے بنا ہے اور اس کا حقیقی معنیٰ کسی چیز کو پورا پورا لینا ہے۔ جبکہ مجازی طور پر نینداور موت پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اپنے حقیقی معنیٰ کسی چیز کو پورا پورا لینا اور مجازی معنیٰ نیند اور موت کے لیے بولا گیا ہے۔

مجازی معنیٰ نیند کے لیے ''توفی'' کا استعمال:

ھو الذی یتوفّکم بالیل [سورۃ انعام: ۶۰]۔ (اللہ) وہ ذات ہے جو تمہیں سلا دیتا ہے رات کو

مجازی معنیٰ موت کے لیے لفظ ''توفی'' کا استعمال:

ومنکم من یتوفی من قبل [سورۃ مومن: ۶۷]۔ بعض تم میں سے وہ ہیں جو مر جاتے ہیں پہلے۔

حقیقی معنیٰ پورا پورا لینا یا دینے کے لیے لفظ ''توفی'' کا استعمال:

توفون اجورکم یوم القیمۃ [آل عمران: ۸۵]۔ دیئے جاؤ گے پورے پورے اجر قیامت کے دن میں۔

قارئین کرام! یہ بات واضح ہوگئی کہ ''تـوفی'' کا لفظ حقیقی اور مجازی اعتبار سے تین معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ توفیتنی جس آیت میں استعمال ہوا ہے یہ آیت آج تو نازل ہوئی نہیں۔ یہ سورۃ مائدہ کی آیت ۱۱۷ ہے جو اللہ کے آخری نبی و رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس وقت اس کا معنیٰ کیا سمجھا گیا اور کیا معنیٰ کیا گیا۔

آج بھی لازماً وہی معنی مراد لیا جائے گا۔ مُرورِ زمانہ سے معنی میں تبدیلی کرنا کیسے درست ہے؟ اور اگر آج ہر آدمی کو آزاد کر دیا جائے کہ جو کسی کی سمجھ میں آئے، قرآن مجید کے الفاظ کا اپنی رائے کے مطابق ترجمہ یا تفسیر کرلے اور اس کو مان لیا جائے تو معاذ اللہ قرآن مجید تختۂ مشق بن جائے گا۔ کتاب ہدایت نہ رہے گی۔ کتاب ہدایت اسی صورت میں ہی کہلا سکے گی کہ جو بات روزِ اوّل کہی گئی ہو وہی قائم رہے، قیامت تک جیسے الفاظ میں تغیر وتبدل روا نہیں۔ ترجمہ وتفسیر میں بھی کسی قسم کا تغیر و تبدل جائز نہیں۔ اس لیے قرآن مجید کے الفاظ کو اور ان کے ترجمہ وتفسیر کو اسی طرح قائم رکھا جائے گا جس شکل میں اللہ کے آخری نبی ورسول سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے سپرد کر گئے اور امت کے تمام مسلمان طبقات اسی راہ پر گامزن ہیں۔

تو لیجئے: سورۃ مائدہ کی آیت: ۱۱۷ میں لفظ **توفیتنی** کا ترجمہ امت کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے مفسر سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما یوں فرمارہے ہیں (تفسیر ابن عباس) **فلما توفیتنی رفعتنی من بینهم:** ترجمہ: جب تو نے اٹھالیا مجھے ان کے درمیان سے۔ یہ ترجمہ سیدنا ابن عباس فرما رہے ہیں اور وہ صحابی رسول ہیں اور انھوں نے قرآن مجید خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا اور سیکھا تو یقیناً ابن عباس کا ترجمہ کیا ہوا وہی ہوگا جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہوگا۔ اس کے بعد کوئی مسلمان سوچ سکتا ہے کہ سورۃ مائدہ کی آیت میں **توفیتنی** کا معنی کوئی اور کرے (جو قادیانیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں) یقیناً امت کے تمام مفسرین نے **توفیتنی** کا معنی وہی اپنایا ہے جو ابھی سیدنا ابن عباس سے منقول ہوا۔ چودہ صدیوں میں امت کے نامور مفسرین کی تفسیروں سے **توفیتنی** کا معنی پیش کرتے ہیں یقینی طور پر نہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تفسیریں قادیانیوں کے بڑے مراکز میں موجود ہوں گی۔ اگر ہمارے لکھے پر ان کو یقین نہ آئے تو کوئی قادیانی ان تفسیروں کو اٹھا کر دیکھ سکتا ہے اگر واقعتاً ان کو مذکورہ ترجمہ ہی نظر آئے تو مرزا قادیانی کا اپنی رائے سے کیے ہوئے ترجمہ کو چھوڑ کر سیدنا ابن عباس کے ترجمہ کو اپنا لینا ہی سلامتی کا راستہ ہے۔ اور اسی راستہ پر تمام مفسرین چلتے آتے ہیں اور اگر اس پر آپ آمادہ نہیں ہو رہے تو پھر اپنے ضمیر سے ہی فیصلہ لے لیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قرآن دانی کے مقابلے میں آپ کی بھی کوئی حیثیت ہے تو کیسے؟ یہ تو آپ کی مرضی، آپ یا آپ کا ضمیر اس بارے کیا فیصلہ کرتا ہے۔ ہم آپ کی خدمت میں چودہ صدیوں کے معروف بڑے بڑے مفسرین کے حوالہ سے **توفیتنی** کا معنی پیش کرتے ہیں۔

تفسیر مظہری میں ہے: **فلما توفیتنی یعنی قبضتنی ورفعتنی الیک**

تفسیر بحر المحیط میں ہے: **توفیتنی قبضتنی الیک بالرفع**

تفسیر روح المعانی میں ہے: **فلما توفیتنی ای قبضتنی بالرفع الی السماء**

تفسیر کبیر میں ہے: **فلما توفیتنی فالمراد منه وفاة الرفع الی السماء**

امت کے چودہ صدیوں کی ان مذکورہ بڑی تفسیروں میں کیا ہوا ترجمہ، وہی ملا جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ پہلے ترجمہ فرما چکے ہیں **رفعتنی من بینھم** ”اٹھالیا تو نے مجھے ان کے درمیان سے“ تو اس سے **فلما توفیتنی** میں وہی معنی حقیقی کسی چیز کو پورا پورا لے لینا ہی متیقن اور متعین ہوا نہ کہ موت۔ تو اب **توفیتنی** کا معنی جو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اس کے مطابق پوری آیت کا ترجمہ کریں، دیکھیں کہ اس آیت میں کہیں وفات مسیح علیہ السلام کا تذکرہ ہے، یقیناً نہیں تو پھر قادیانیوں کی دھوکہ دہی اور عیاری پر مبنی اس خیالی معنیٰ کے بل بوتے پر کھڑی کی ہوئی وفات مسیح کی عمارت دھڑام گر گئی تو پھر کیونکر اس آیت کو وفات مسیح علیہ السلام پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ ایسے ہی آیت **وما محمد الا رسول قدخلت من قبله الرسل** (آل عمران: 144) سے قادیانی لوگ وفات مسیح علیہ السلام ثابت کرتے ہیں اور ”خلت“ کا معنی موت کرتے ہیں۔ جس سے آیت کا ترجمہ یوں ہوگا ”نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول، تحقیق فوت ہو گئے ہیں ان سے پہلے سب رسول“ یہاں بھی وہی بات جو مرزا غلام احمد قادیانی نے کہی بے تحقیق اس کو مان کر دوسری ہر بات کی نفی، حالانکہ یہاں ”**خلت**“ کا معنی موت ہے ہی نہیں۔ اگر قادیانی حضرات نے ایسی اندھی تقلید کرنی ہے تو پھر مندرجہ ذیل آیات میں ”خلت“ کا لفظ آ رہا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ [آل عمران: 137]

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ [الاعراف: 38]

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ [الرعد: 6]

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ [الرعد: 30]

یہاں کسی جگہ خلت کا معنی موت کو دکھائیں منہ مانگا انعام پائیں۔

مرزا قادیانی کے بیٹے اور دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین کی لکھی ہوئی تفسیر صغیر اٹھا کر دیکھ لیں یا مرزا طاہر کا کیا ہوا ترجمہ دیکھ لیں یقیناً آپ کو **خلت** کا معنی موت کیا ہوا نظر نہیں آئے گا۔ اور اگر پھر بھی خلت کا معنی موت کرنے میں کوئی قادیانی بضد رہے تو پھر اس کو اس طرف توجہ کرا دینی چاہیے کہ اگر خلت کا معنی موت ہے پھر مرزا قادیانی مندرجہ ذیل آیت میں خلت کا معنی موت کیوں نہیں کر رہے مرزا قادیانی لکھتے ہیں:

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ [المائدہ: 75]

یعنی مسیح ابن مریم میں اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کہ وہ صرف ایک رسول ہے اور اس سے پہلے رسول ہی آتے رہے ہیں روحانی خزائن جلد: ۶ صفحہ: ۸۹/ اس جگہ مرزا قادیانی نے خلت کا معنی موت نہیں کیا اگر خلت کا معنی موت ہوتا

تو یہاں بھی مرزا قادیانی ضرور خلت کا معنی موت کرتے۔ مذکورہ آیت **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل** میں اگر خلت کا معنی موت کیا جائے تو اس لیے بھی درست نہیں ہے کہ مرزا قادیانی لکھتے ہیں کہ ''بہت سے نبیوں کی وفات کا خدا تعالیٰ نے ذکر بھی نہیں کیا'' روحانی خزائن جلد:۱۴،ص:۳۸۷، اور اگر خلت کا معنی موت کرنے پر قادیانی بضد ہیں پھر تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سارے نبیوں کی موت و وفات کا تذکرہ ہوگیا۔ ایک جگہ کہنا کہ بہت سے نبیوں کی وفات کا خدا تعالیٰ نے ذکر بھی نہیں کیا۔ دوسری جگہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سارے رسول فوت ہوگئے ہیں۔

قادیانی حضرات میں ہے کوئی عقل والا جو اس گتھی کو سلجھا سکے۔ لیکن جب بھی کسی قادیانی نے عقل سے کام لیا اس قادیانی دھرم کو چھوڑنے میں ہی نجات پائے گا۔ لیکن ''میں نہ مانوں'' کا کوئی جواب نہیں نہ اس کا کوئی حل ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر کسی جگہ پر **خلت** کا معنی موت کسی وجہ سے ہوا بھی ہے تو پھر اس سے کیسے لازم آگیا کہ آیت **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل** میں بھی خلت کا معنی موت کیا جائے۔

ایسے ہی وفات مسیح پر پیش کی جانے والی آیت۔

وَ مَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاْئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ [انبیاء :34]

نہیں بنایا ہم نے آپ سے پہلے کوئی بشر ہمیشہ رہنے والا کیا۔

یہ آیت بھی انھیں آیات میں سے ہے جو مرزا قادیانی نے وفات مسیح ثابت کرنے کے لیے پیش کیں اور اس کے پیروکار بھی اسی لکیر کو مسلسل پیٹتے چلے آرہے ہیں اور یہ بھی دھوکا ہی ہے۔ مسلمانوں کا بھلا کب یہ عقیدہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ رہیں گے، ان کو موت نہیں آئے گی۔ بلکہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے زمین پر نزول فرمائیں گے اور پھر ان کو موت آئے گی۔ ان کی نماز جنازہ مسلمان پڑھیں گے اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوں گے۔

حضرت عیسیٰ علی السلام کے ہمیشہ رہنے کا عقیدہ کسی مسلمان کا ہے ہی نہیں تو پھر یہ آیت قرآنیہ مسلمانوں کے عقیدے کے مقابلے میں کیسے کوئی پیش کر سکتا ہے۔

ایسے ہی آیت **کل نفس ذائقة الموت** کہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے اس لیے یہ کیسے لازم آگیا کہ ہر نفس پر موت طاری ہو چکی ہے۔ بلکہ معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم اور فیصلہ کے مطابق جب کسی کا وقت آجائے گا وہ اس وقت موت کا ذائقہ چکھ لے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: **اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا یَسْتَقْدِمُوْنَ** [الاعراف :34]

ایسے ہی اللہ کے فیصلے کے مطابق سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا وقت آئے گا وہ بھی **کل نفس ذائقة**

الموت کے مطابق موت کا پیالہ پئیں گے، ویسے بھی ہر وقت کسی کی موت کی تمنا کرتے رہنا کونسا اچھا کام ہے اپنی زندگی سنوارنے کی فکر کرنا چاہیے۔ سمجھ سے بالاتر ہے کہ قادیانی حضرات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی موت ثابت کرنے کے درپے کیوں ہیں؟ کہیں یہ تو نہیں کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں جب تشریف لائیں گے تو آپ کے تشریف لانے سے اسلام جمیع اطراف میں پھیل جائے گا اور دنیا میں سوائے اسلام کے تمام مذاہب اپنا وجود کھو دیں گے۔ اس غلبۂ اسلام سے پریشان ہیں یا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ زمین پر نزول فرمائیں گے تو آپ کے ہاتھ سے دجال اکبر قتل ہوگا، اس کے قتل ہونے سے پریشان ہیں۔ چاہے جو وجہ بھی ہو ان کو یہ یقین کر لینا چاہیے کہ سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام قیامت سے پہلے دنیا میں ضرور تشریف لائیں گے اور قادیانیوں کے تخیلات دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔

ایسے ہی آیت: **او ترقیٰ فی السماء قل سبحان وبی ھل کنت الابشر رسولا** ۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی بھی اس آیت کو نامکمل پیش کرنے کے بعد اس آیت سے یوں استدلال کرتے ہیں ''یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر دکھلا تب ہم ایمان لے آئیں گے ان کو کہہ دے کہ میرا خدا اس سے پاک تر ہے کہ اس دارالابتلاء میں ایسے کھلے کھلے نشان دکھلا دے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی، اس آیت سے تو صاف ظاہر ہے کہ کفار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمان پر چڑھنے کا نشان مانگا تھا اور انھیں صاف جواب ملا کہ عادت اللہ نہیں ہے کہ جسم خاکی کو آسمان پر لے جائے۔ (روحانی خزائن، جلد:۳، ص:۴۳۷، ۴۳۸)

قارئین محترم! یہ آیت مرزا قادیانی کی طرف سے وفات مسیح علیہ السلام پر پیش کردہ تیس آیات میں سے آخری آیت ہے جسے مرزا غلام قادیانی نے سیدنا مسیح علیہ السلام کے وفات شدہ ہونے کے اپنے دھرم کو ثابت کرنے کے لیے پیش کیا ہے جس کی صورت یہ ہے کہ قرآن مجید میں سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۹۳ کا ابتدائی حصہ اور آخری حصہ ملا کر آیت کے درمیان کے حصے کو اڑا دیا اپنے مطلب براری کی اپنے خیال میں کوشش کی اور پھر بھی اپنی مرضی کا مفہوم اخذ نہ کیا جا سکا تو اپنے مقصد کے حصول کے لیے مرضی کا ترجمہ یوں کیا کہ ''یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر ہمیں دکھلا تب ہم ایمان لا دیں گے۔''

جس کو قادیانی مربی اور عام پڑھا لکھا طبقہ مرزا قادیانی کی اتباع میں مسلسل پیش کرتا چلا آرہا ہے جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی کو فوت ہوئے تقریباً ایک سو سال سے زیادہ عرصہ بیت گیا ہے مگر کمال ہے کہ کبھی کسی مربی نے یا کسی پڑھے لکھے قادیانی طبقے نے کبھی قرآن مجید اٹھا کر دیکھا ہو کہ آیت قرآنی اس شکل وصورت میں ہے ہی نہیں، چونکہ مرزا قادیانی نے کہہ دیا لہٰذا اسی کو ہی حرف آخر سمجھ کر اب تک چلائے ہوئے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی دھوکہ بازی میں ساری قادیانی جماعت گھری ہوئی ہے کہ آنکھیں ہونے کے باوجود دیکھ ہی نہیں سکتے اور اللہ تعالیٰ کے فرمان **لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ**

بِهَا وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ[اعراف:179]
کا عملی مظہر و مصداق ہیں۔

قارئین محترم مرزا غلام احمد قادیانی کی دھوکا بازی کا ایک نمونہ آپ کے سامنے کھلے عام پیش کرنے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ وہ آیت مبارکہ پورے لفظوں میں آپ کے سامنے پیش کریں اور پھر اس سے پھوٹنے والی روشنی آپ کے سامنے ذکر کریں کہ آپ کو اندھیرے اجالے کا پتہ چل سکے۔ مذکورہ پوری آیت یوں ہے: **اوترقیٰ فی السماء ولن نومن لرقیک حتی تنزل علینا کتابانقرئه** (ترجمہ اس کا یوں ہے) یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے آسمان پر چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو اوپر جا کر ہم پر کوئی کتاب نہ اتارے جسے ہم (خود) پڑھیں۔

(ایک نظر پھر) مرزا غلام احمد قادیانی نے آیت قرآنی ان لفظوں میں ذکر کی: **او ترقیٰ فی السماء قل سبحان ربی هل کنت الالبشر رسولا** ۔جبکہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت یوں ہے: **اوترقیٰ فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتیٰ تنزل علینا کتابا نقرؤ قل سحبان ربی هل کنت الابشر رسولا** ۔مرزا قادیانی کا کیا ہوا ترجمہ: یعنی کفار کہتے ہیں کہ تو آسمان پر چڑھ کر دکھلا تب ہم ایمان لاویں گے۔ ان کو کہہ دے کہ میرا خدا پاک تر ہے کہ اس دارالابتلاء میں ایسے کھلے کھلے نشان دکھلاوے اور میں بجز اس کے اور کوئی نہیں ہوں کہ ایک آدمی۔ جب کہ صحیح ترجمہ اس کا یوں ہے۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے (آسمان پر) چڑھ جانے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو (اوپر جا کر) ہم پر کوئی کتاب (نہ) اتارے جیسے ہم (خود) پڑھیں۔ (اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کہہ دیں کہ میرا رب پاک ہے، نہیں ہوں میں مگر ایک آدمی رسول۔

قارئین محترم! آپ ذرہ تجربہ تو کریں مذکورہ آیت پندرھواں پارہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ۹۳ ہے کسی مسلک کے کسی عالم کا ترجمہ اٹھائیں، اگر کسی کو میسر ہو تو (قادیانیوں کو ضرور میسر ہوگے) مرزا البشیر الدین کا کیا ہوا ترجمہ جو تفسیر صغیر کے نام پر ہے اس کو دیکھیں یا مرزا طاہر کا ترجمہ کیا ہوا دیکھیں تو آپ کی آنکھیں کھل جائیں، یقیناً اس دھوکہ دہی سے آپ خوب سے خوب تر واقف ہو جائیں گے اگر آنکھوں سے یہ دھوکہ معلوم ہو جائے اور یقیناً ہوگا تو پھر آپ اسی پر قیاس کریں کہ ایسے ہی قادیانی دھرم دھوکہ وفریب سے از اوّل تا آخر بھرا ہوا ہے۔ مگر **قلیلا ماتومنون**۔

قارئین محترم! اصل میں بات یہ ہے کہ کفار نے کچھ سوال کیے تھے جس کے جواب میں **هل کنت الابشر رسولا** کہا گیا اور یہ سوالات تقریباً چار آیات پر مشتمل ہیں۔ کفار کے کیا سوالات ہیں، قرآن مجید میں ان لفظوں میں مذکور ہیں وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا o اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا o اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا

oاَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّوْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا [بنی اسرائیل:90-93]

ترجمہ: ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمے جاری کر دے یا تیرے پاس کھجور اور انگور کا باغ ہو اور اس کے نیچے نہریں جاری ہوں یا تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا برسا دے جیسے کہ تو کہا کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کو ضامن لے آ، یا تیرے لیے کوئی سونے کا گھر بنایا ہوا ہے یا آسمان پر چڑھ جائے اور ہم تیرے (آسمان پر) چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کہ وہاں سے ہمارے لیے کوئی کتاب نازل کر جسے ہم خود پڑھیں۔

یہ چھ سوال ہیں جو کفار نے کیے کہ اگر ایسے ہو جاؤ تو تیرے پر ایمان لے آئیں گے۔

جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا، تو ان کو یہ کہہ دے کہ میرا رب پاک ہے اس کے سامنے میری کوئی طاقت نہیں، میں اپنے اختیار سے یہ امر نہیں کر سکتا، میں تو ایک بشر اور رسول ہوں، معجزات کا دکھانا میرے بس میں نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا وما کان لرسول ان یأتی بآیة الا باذن اللّٰہ [الرعد:۳۸]

یعنی کوئی رسول بھی حکم الٰہی کے بغیر معجزہ نہیں دکھا سکتا، تو اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے صرف یہ سوال نہ تھے بلکہ کئی معجزات مانگے جا رہے تھے جس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان ربی هل کنت الابشر رسولا ۔ کہ میں تو ایک رسول ہوں میرے اختیار میں نہیں کہ میں اپنی مرضی سے یہ سب کچھ کر سکوں۔ ہاں اس قسم کے خوارق عادت کاموں کا اللہ کے حکم سے ہونا اس کا تذکرہ قرآن مجید میں کئی جگہ پر ہے۔ (جاری ہے)

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)

24 نومبر 2016ء
جمعرات بعد نماز مغرب

دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان

نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نمازِ مغرب مجلسِ ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے

الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-4511961

دورۂ تربیت المبلغین

زیرِاہتمام شعبہ تبلیغ تحفظِ ختم نبوت مجلس احرارِ اسلام

عبدالمنان معاویہ

شریک کورس دورۂ تربیت المبلغین:

مجلس احرار اسلام پاکستان کے رہنماؤں نے طویل مشاورت اور غور وفکر کے بعد ایک کورس بعنوان ''دورہ تربیت المبلغین'' کا انعقاد کیا جس کا دورانیہ ایک ماہ، تھا یہ کورس فارغ التحصیل علماء کرام کے لیے منعقد کیا گیا، یہ کورس دفتر مجلس احرارِ اسلام لاہور میں منعقد ہوا۔ کورس کے کوارڈی نیٹر بھائی محمد آصف تھے، راقم الحروف انتظامی امور میں ان کا معاون تھا اور شریک دورہ تربیت المبلغین۔

اس کورس کا مقصد اصلی یہ تھا کہ نوجوان علمائے کرام کو قادیانیت سے متعلق مکمل آگاہی دی جائے اور قادیانیوں کا طریقہ واردات سمجھایا جائے اور اس کے ساتھ ہی قادیانیوں سمیت دیگر غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت کا جدید اسلوب سکھایا جائے تا کہ اس کورس کے بعد یہ علمائے دین جب اپنی عملی زندگیوں میں جائیں تو لوگوں کو دین اسلام سے قریب کرنے کا ذریعہ بنیں۔ ان کی گفتگو سن کر اپنے مزید قریب آئیں اور غیر اپنے بن جائیں۔ ہمارے ہاں المیہ یہ ہے کہ بعض داعیاں کی سخت طبیعتوں کی وجہ سے لوگ دین اسلام سے دور ہو گئے۔ احرار رہنماؤں نے محسوس کیا کہ فاضلینِ مدارس دینیہ کو رائج الوقت اسلوب دعوت پڑھایا جائے تا کہ وارثین انبیاء، انبیاء کرام علیہ السلام کے نقش قدم پر چل کر فریضہ ابلاغ سرنجام دیں اور اسوۂ حسنہ کی روشنی میں غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دیں۔

دورہ تربیت المبلغین 25 ستمبر سے شروع ہوا، افتتاحی نشست میں مجلس احرار اسلام کے نائب امیر حافظ سید محمد کفیل بخاری کا بیان ہوا جس میں انہوں نے شرکائے دورہ تربیت المبلغین کے سامنے ''اس کورس کے انعقاد کا مقصد اور داعی کی صفات'' کے موضوع پر گفتگو کی، سید کفیل بخاری کے اس بیان کے بعد باضابطہ کورس کا آغاز ہو گیا، سید کفیل شاہ جی کا چند روز بعد ایک اور لیکچر ہوا جس کا عنوان تھا ''ردمرزائیت پر سابقہ علمائے دین کی خدمات اور دورِ حاضر میں جدید اسلوب کی ضرورت'' قاری محمد آصف (سابق قادیانی) نے ''قادیانی جماعت کا تعارف، قادیانیوں کا تنظیمی ڈھانچہ، قادیانیوں کے کام کرنے کا طریقہ، قادیانیوں کا سیاسی ڈھانچہ، قادیانیوں کو دعوت کا طریقہ، مرزا غلام احمد کی تصنیفات اور ان میں موجود ہفوات'' کے موضوعات پر پورا ایک ماہ سیر حاصل گفتگو کی، مولانا سید انیس شاہ نے ''عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت وفضیلت اور

اصحاب رسول رضی اللہ عنہم کی اس عقیدہ کے تحفظ میں قربانیاں'' کے موضوع پر گفتگو کی، مولانا محمد مغیرہ نے ''حیات عیسیٰ علیہ السلام، قادیانی اعتراضات اوران کے جوابات'' کے موضوع پر پانچ روز لیکچر دیئے، مولانا تنویر الحسن نقوی نے بھی پورا ایک ماہ مختلف نشستوں میں پر ''اوصاف نبوت اور مرزائیت، قرآن کریم کا دعوتی اسلوب، عقیدہ ختم نبوت قرآن کریم واحادیث نبویہ اور آثار صحابہ کی روشنی میں، عقیدہ ختم نبوت سے متعلق قادیانی شبہات کے جوابات'' کے موضوعات پر لیکچرز دیئے، مولانا محمد اشرف بزرگ عالم ہیں انہوں نے شرکائے کورس کے سامنے ''علمائے کرام کا منصبی فریضہ کیا ہے.؟ اور وحدتِ امت'' کے موضوع پر ایک لیکچر دیا، جناب ڈاکٹر عبدالغنی نے ''مسئلہ ختم نبوت اور فلسفہ نبوت وعلم کے ذرائع'' کے موضوع پر بڑے خوبصورت انداز میں لیکچر دیا، جامعہ فتحیہ کے خطیب پروفیسر حافظ سعید عاطف نے ''قادیانیت کا تعارف اور سیاسی تجزیہ'' کے عنوان پر عام فہم اور تدریسی انداز میں لیکچر دیا، پروفیسر سمیر ملک نے ''مرزائیت کے ساتھ مناظرہ کے اسلوب اور لیپ ٹاپ پر اپنے مناظرے سنوائے'' مولانا نصیر احمد احرار کے تین لیکچر ہوئے، ان کے موضوعات یہ تھے ''مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوؤں کے ادوار، قادیانیت سے متعلق چند ضروری ہدایات، علمائے کرام اور جدید اسلوب'' مفتی محمد سفیان نے دو لیکچر دیئے ''اسلام کیا ہے..؟ اور حجیت حدیث وائمہ محدثین'' مولانا شفیع الرحمٰن نے پروجیکٹر کے ذریعے ''مرزائیت کے خود ساختہ دلائل اور ان کا رد'' پڑھایا، حافظ عبیداللہ اسلام آباد سے تشریف لائے انہوں نے بھی پروجیکٹر کے ذریعے ''حیات عیسیٰ علیہ السلام اور قادیانیوں کی تاویلات کا رد'' کے موضوع پر لیکچرز دیئے، مفتی سید صبیح الحسن ہمدانی نے شرکائے کورس سے بالکل نئے موضوع پر بات کی اور بڑے ہی احسن انداز میں لیکچر دیا، مفتی صاحب کا موضوع تھا ''نظریہ ارتقاء اور گمراہ فرقوں میں حدِ اشتراک'' پروفیسر امجد علی شاکر کتب کثیرہ کے مصنف ہیں اور انتہائی سادہ آدمی ہیں ان کے بارے میں ایک بات از راہ تفنن عرض کر دوں کہ جب پروفیسر صاحب تشریف لائے تو ایک شریک کورس مولانا عبدالقیوم جو ملتان سے تشریف لائے تھے انہوں نے راقم سے پوچھا کہ یہ لیکچر دیں گے؟ راقم نے ان کا حلیہ دیکھ کر کہا خیر ہے یہ تو کوئی مزدور آدمی ہے بیچارہ، لیکن جب ہم کمرہ کلاس میں گئے تو وہی صاحب کرسی پر تشریف فرما تھے اور جب انہوں نے تاریخی حوالوں سے گفتگو کی تو گویا چودہ طبق روشن ہوگئے پروفیسر امجد علی شاکر کا موضوع ''قادیانی، لاہوری جماعت کا تاریخی جائزہ'' تھا، مصنف کتب کثیرہ جناب متین خالد نے قادیانیوں کے ساتھ ''مختلف موضوعات پر مناظروں'' روداد سنائی جو کہ بڑی دلچسپ تھی، مولانا عبدالرؤف فاروقی نے ''کورس میں شریک علمائے کرام کے کرنے کے کام'' کے موضوع پر لیکچر دیا مولانا جہانگیر محمود نے ''آپ ﷺ کا اسوۂ حسنہ اور قادیانیوں کے ساتھ معاملات'' پر لیکچر دیا، مولانا زاہد الراشدی کے تین لیکچرز ہوئے عنوانات یہ تھے ''قادیانی اور انسانی حقوق، عصر حاضر میں دیگر مدعیان نبوت، قادیانیوں کے معاشرتی حقوق'' مدینہ منورہ سے تشریف لائے ہوئے ایک عالم دین مولانا ڈاکٹر محمد الیاس فیصل نے ''اکابر کے سنہری نقوش اور قادیانیوں کا میڈیا وار'' کے عنوان پر دھیمے انداز میں گفتگو فرمائی، منصور اصغر راجہ سے ''ابلیسی میڈیا اور نبوی میڈیا'' کے عنوان پر لیکچر دیا، مجلس

احرار اسلام کے سیکرٹری جنرل جناب عبداللطیف خالد چیمہ نے ''آئین میں قادیانیوں کی متعین حیثیت اور قادیانی پروپیگنڈہ'' کے عنوان پر لیکچر دیا اور ایک دوسری نشست ''سوالات وجوابات'' پر مبنی تھی، پروفیسر خواجہ ابوالکلام صدیقی صاحب ملتان سے سفر فرما کر ایک روز کے لیے تشریف لائے، انھوں نے ''تمام ادیان باطلہ'' کے تفصیلی حالات سے شرکائے کورس کو آگاہ کیا، ڈاکٹر شاہد کاشمیری اور میاں محمد اویس کی نشستیں بھی بڑی دلچسپ ہیں ان ہر دو حضرات نے تاریخ احرار اور بزرگانِ احرار کے حوالے سے اپنی یادداشتیں شرکائے کورس کے ساتھ شیئر کیں، راقم الحروف نے بھائی محمد آصف اور مولانا تنویر الحسن نقوی کی مشاورت سے شرکائے کورس کو ''کذبات مرزا'' لکھوائے اور ''علمائے کرام کی ذمہ داری اور احساس ذمہ داری'' کے موضوع پر بات کی۔

مجلس احرار اسلام لاہور کے سرپرست بزرگ عالم دین مولانا حافظ سعید احمد نقشبندی کی ہر ہفتہ میں دو روز بعد نماز مغرب اصلاحی مجالس رہیں، جس میں پہلے تزکیہ نفس پر مختصر گفتگو ہوتی اور پھر مجلس ذکر قائم کی جاتی، ایک روز مجلس احرار اسلام کے امیر مرکزیہ حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ بھی چناب نگر سے لاہور تشریف لائے، آپ نے درس قرآن دیا اور مجلس ذکر منعقد ہوئی جس میں حضرت پیرجی نے ذکر کرایا، اسی طرح خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے مسند نشین حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد صاحب دوران کورس تشریف لائے، حضرت خواجہ صاحب نے مختصر مگر قیمتی نصائح ارشاد فرمائے اور مجلس احرار اسلام کی عقیدہ ختم نبوت کے ضمن میں دی گئی قربانیوں کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے مجلس احرار اسلام اور تحفظ ختم نبوت کے لیے کام کرنے والی تمام جماعتوں اور اداروں کے لیے دعاءِ خیر کی۔

خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے خادم خاص راؤ عبدالرؤف (لاہور) نے تصوف کی اہمیت وفضیلت اور قادیانیوں کو دعوت اسلام دینے کے حوالے سے گفتگو فرمائی، زاویہ ٹرسٹ کے ڈائریکٹر راؤ شاھد رشید نے ''اخلاص، تقویٰ اور ہمارے اہداف'' کے موضوع پر لیکچر دیا۔

25 اکتوبر کو اختتامی تقریب منعقد کی گئی جس میں مولانا فضل الرحیم، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، سید علاء الدین شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز مولانا حافظ سعید احمد نقشبندی، مولانا حافظ سید کفیل بخاری، مولانا مجیب الرحمٰن انقلابی، جناب محمد متین خالد اور جناب عبداللطیف خالد چیمہ کے مختصر بیانات ہوئے، جس میں انھوں نے شرکائے کورس کو عملی زندگی کے حوالے سے مزید نصائح ارشاد فرمائے اور پھر سید کفیل بخاری، عبداللطیف خالد چیمہ، حافظ سعید احمد صاحب نے شرکائے کورس میں اسناد اور انعامات (32 کتابوں کا بنڈل + ایک ڈی وی ڈی) دی، بعد میں کفیل شاہ جی نے شرکائے کورس کو پانچ پانچ ہزار (5000) روپے بطور وظیفہ کے عنایت کیے۔ جبکہ کورس میں جز وقتی شریک ہونے والے طلباء کو بھی کتابیں، اسناد اور نقد عطیات پیش کیے۔

مستقل شرکائے کورس کے نام یہ ہیں:۔

مولانا عتیق الرحمٰن علوی بن محمد اسحٰق (دین پور، بہاولنگر) مولانا حافظ عبدالقیوم بن مولانا حفیظ اللہ (ملتان) زید تہامی بن مولانا ظہور احمد (بورے والا) مولانا عبدالرشید غازی بن محمد غازی (مانسہرہ) مولانا عبدالرشید بخاری بن عطاء اللہ (احمد پور شرقیہ) عبدالمنان معاویہ بن عبدالسبحان (اللہ آباد، لیاقت پور) مولانا محمد بلال معاویہ بن اللہ دتہ (مخدوم پور پہوڑاں، خانیوال) محمد نعمان حیدری بن قاری محمد عثمان (چوپڑ ہٹہ، کبیر والا) مولانا محمد سرفراز معاویہ بن محمد طفیل (کنگن پور، قصور)

جامعہ اشرفیہ سے تشریف لانے والے طلبائے کرام جو صرف ایک لیکچر میں شریک ہوتے رہے ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

محمد عمیر سجاد بن سجاد شفیق (سیالکوٹ کینٹ) محمد اسامہ بن مولانا اللہ وسایا قاسم شہید (جہانیاں) محمد طیب بن محمد فیروز (اچھرہ، لاہور) رانا گل شیر بن محمد رمضان خان (صفدر آباد، شیخوپورہ)

گجرات سے تشریف لائے ہوئے قاری محمد ضیاء اللہ ہاشمی نے آخری یوم امتحان کے موقع پر نگران کے فرائض سرانجام دیئے اس طرح کل تیرہ افراد میں کتب ونقدی رقم تقسیم کی گئی، اللہ تعالیٰ تمام شرکائے کورس کو مستقبل میں دین اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے کی دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

دفتر مجلس احرار اسلام لاہور میں واقع مدرسہ معمورہ کے مدرس قاری شہزاد رسول صاحب اور ان کے طلباء نے خصوصاً حافظ فرمان علی نے شرکائے کورس کی پوری دلجمعی کے ساتھ خدمت کی، ان کے طعام وقیام کی جملہ ضروریات کا ہر لحاظ سے خیال رکھا، قاری طاہر عباس نے بھی ہر ممکن خیال رکھا۔ان سب کو حق جل مجدہ اپنی جناب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک وپرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

مسافرانِ آخرت

ادارہ

● محمد اسمٰعیل مرحوم: لاہور میں ہمارے قدیمی کرم فرما محترم محمد اعجاز صاحب کے نوجوان فرزند اور مجلس احرارِ اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ و عاملہ کے رکن جناب ملک محمد یوسف کے بھتیجے محمد اسمٰعیل ۱۰؍ محرم کو اچانک انتقال کر گئے۔

● مولانا رفیق احمد صفدر رحمتہ اللہ علیہ: ماہنامہ ''صدائے ختم نبوت'' چناب نگر کے مدیر صاحبزادہ محمد قادری کے والد ماجد اور انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے مرکزی رہنما قاری شبیر احمد عثمانی (چناب نگر) کے چچازاد اور بہنوئی مولانا رفیق احمد صفدر (سرپرست جامعہ احسن المعارف حافظ والا شجاع آباد) ۱۳؍ اکتوبر کو انتقال کر گئے۔

● پیر جی عبیدالرحمٰن رحمتہ اللہ علیہ: مجلس احرار اسلام جھنگ کے ناظم قاری عزیز الرحمٰن صاحب کے والد ماجد پیر جی مولانا عبیدالرحمٰن (ناظم مدرسہ علوم شرعیہ جھنگ) ۲۷؍ اکتوبر کو انتقال کر گئے

● مرکز احرار مرکزی مسجد عثمانیہ ہاؤسنگ سکیم چیچہ وطنی کے دیرینہ خدمت گزار حافظ محمد شریف کے بہنوئی سلطان محمود 6؍ اکتوبر، جمعرات کو ٹریفک حادثے میں انتقال کر گئے۔

● مدرسہ عربیہ اسلامیہ بورے والا کے مہتمم مولانا عبدالرؤف نعمانی ۲؍ نومبر ۲۰۱۶ء کو انتقال کر گئے۔

احباب و قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دعاءِ مغفرت کا خاص اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطاء فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطاء فرمائے۔

دعاءِ صحت

● مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المومن بخاری دامت برکاتہم شدید علیل ہیں۔

● مدیر نقیب ختم نبوت سید محمد کفیل بخاری کی پھوپھی صاحبہ اور سید محمد اویس بخاری (گوجرانوالہ) کی والدہ شدید علیل ہیں۔

● حضرت مولانا خواجہ خان محمد رحمتہ اللہ علیہ کے فرزند گرامی جناب خواجہ رشید احمد صاحب گزشتہ کئی ماہ سے کومے میں ہیں

● مجلس احرار اسلام بہاول پور کے صدر قاری عبدالعزیز صاحب شدید علیل ہیں۔

● مجلس احرارِ اسلام راولپنڈی کے صدر پیر محمد ابوذر صاحب شدید علیل ہیں۔

● مدرسہ معمورہ کا سابق طالب علم حافظ محمد اویس سنجرانی گزشتہ چند ماہ سے شدید علیل ہے۔

● مجلس احرار اسلام لاہور کے کارکن ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب کے والد ماجد محمد انور صاحب علیل ہیں

● مجلس احرار اسلام چکڑ الہ ضلع میانوالی کے کارکن اولیا خان شدید علیل ہیں

● مجلس احرارِ اسلام چشتیاں کے کارکن حافظ فاروق احمد شدید علیل ہیں

احباب و قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مریضوں کی صحت یابی کے لیے دعاء فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو شفاء کاملہ عطاء فرمائے (آمین)

یونیک
فاسٹ
ٹریولز اینڈ ٹورز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ

تمام ائیر لائینز کی ٹکٹیں سستے ترین ریٹ میں حاصل کریں

عمرہ
گروپ کے ساتھ
کے بہترین پیکج

نزدیک ترین رہائش
بہترین سروس

علماء کرام گروپ کے ساتھ فری عمرہ پیکج حاصل کریں

سعودی عرب
دبئی
ملائیشیا
تھائی لینڈ
سری لنکا
چائینہ
سنگاپور
قطر
فلپائن
ماسکو
عراق
ازبکستان
مسقط
کے ویزٹ ویزے معلومات

بھمبر روڈ کوٹلہ گجرات
053-7575174
053-7575175

مولانا محمد اسد ابوبکر
چیف ایگزیکٹیو
03004002993
03454002993

بولان کا خالص
سرکہ سیب
(ایکسٹرا کوالٹی)
• دل کے بندوالوں کو کھولتا ہے۔
• کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔
• ہاضمہ کو درست رکھتا ہے۔
• موٹاپے کو کم کرنے کیلئے بہترین دوا ہے۔
گلے کی خراش اور بلغم ختم کر کے جسم کو صحت مند
اور خوبصورت بناتا ہے۔
• رنگت نکھارتا ہے۔
BOLAN'S
Apple
Vinegar
Best Quality Ever
Regd # QA/F/31
BOLAN'S®
Bolan Fruit Products
P.O.Box 285 Quetta
email: bfpq_asif@yahoo.com

توحید و ختمِ نبوت کے علمبردارو ایک ہو جاؤ (سید ابوذر بخاری)

احرار ۱۹۲۹ء

39 ویں سالانہ دو روزہ

ختمِ نبوت کانفرنس

12,11 ربیع الاوّل 1438ھ | جامع مسجد احرار چناب نگر ضلع چنیوٹ

زیر سرپرستی

ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان

مہمان خصوصی

حضرت مولانا
خواجہ عزیز احمد
دامت برکاتہم
نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان
خانقاہ سراجیہ کندیاں

پروگرام

11 ربیع الاول بعد نماز عشاء، علماء کرام، خطباء احرار اور مذہبی و سیاسی رہنما خطاب کریں گے

12 ربیع الاول بعد نماز فجر درس قرآن کریم، صبح دس بجے تا ظہر جملہ مکاتب فکر کے سرکردہ رہنماء، تحریک ختم نبوت کے قائدین، علماء، خطباء، زعماء احرار، وکلاء، صحافی، دانشور اور طالب علم رہنما عقیدۂ ختم نبوت، حیات عیسیٰ علیہ السّلام، عصمت انبیاء، قادیانیوں اور دیگر غیر مسلموں کو قبول اسلام کی دعوت، احرار اور محاسبۂ قادیانیت کی تاریخ جیسے اہم موضوعات پر خطاب کریں گے۔

جلوس دعوتِ اسلام حسب سابق بعد نماز ظہر قادیانیوں کو دعوتِ اسلام کا فریضہ دہرانے کے لیے فرزندانِ اسلام، مجاہدین ختم نبوت اور سرخ پوشانِ احرار کا عظیم الشان جلوس مسجد احرار سے روانہ ہوگا، دورانِ جلوس مختلف مقامات پر زعماء احرار خطاب فرمائیں گے۔

حضرت امیر شریعت سے منسوب خطبہ انٹرنیٹ پر حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ایک عربی خطبہ چل رہا ہے۔ یہ صریحاً جھوٹ ہے۔ نہ امیر شریعت کی آواز ہے اور نہ الفاظ۔ حضرت کی آواز میں ۱۹۵۶ء کی ایک تقریر کا اقتباس ہمارے ہاں دستیاب ہے۔ اس کے علاوہ حضرت امیر شریعت کی آواز سے منسوب تمام تقاریر جعلی ہیں۔

شعبہ تبلیغ تحفظِ ختم نبوت مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

چناب نگر: 0301-3138803 ملتان: 0300-8020384 راولپنڈی: 0300-9793093 کراچی: 0308-5838395 چیچہ: 0315-9932942 سیالکوٹ: 0307-6101608
لاہور: 042-35912644 چیچہ وطنی: 040 - 5482253 گجرات: 0301-6221750 تلہ گنگ: 0300-5780390 آزاد کشمیر: 0301-5310385 ڈسکہ: 0303-4611460